بادل

اس دھرتی پر جو کچھ بھی زندگی پائی جاتی ہے وہ پانی کی بدولت پائی جاتی ہے۔اس زمین کا ستر فیصد سے زائد حصہ سمندروں پر مشتمل ہے۔سمندر کے اس پانی کو خراب ہونے سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ اہتمام کیا ہے کہ ان کا پانی سخت کھاری کر دیا ہے تا کہ یہ پانی خراب نہ ہو۔تاہم یہ کھارا پانی انسانوں، زمین کے حیوانات اور نباتات کے لیے قابل استعمال نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ اہتمام کیا ہے کہ سمندر کا پانی عمل تبخیر کے ذریعے سے بخارات میں تبدیل ہوتا ہے اور پھر میٹھے پانی کی شکل میں مختلف جگہوں پر برس جاتا ہے۔

سمندر کے اس پانی کو ہزاروں میل دور لے جا کر برسانے کا فریضہ بادل اور ہوا سرانجام دیتے ہیں۔بادل اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب کرشمہ ہیں۔ان میں اتنا زیادہ پانی ہوتا ہے کہ اگر تمام کے تمام برس جائیں تو خشک زمین ہی ختم ہو جائے۔تاہم بیشتر بادل سمندر پر برس کر ختم ہو جاتے ہیں۔جو زمین تک آتے ہیں وہ مکمل طور پر نہیں برستے بلکہ جزوی طور پر برستے ہیں۔ بہت سے بادل فوری طور پر برسنے کے بجائے برف باری کی شکل میں پانی کو مستقبل کے استعمال کے لیے پہاڑوں پر جمع کر دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بادل اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔یہ اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ یہ دنیا کسی اتفاقی حادثے کے نتیجے میں وجود میں نہیں آئی۔ایسا ہوتا تو سارے بادل ایک ساتھ برس کر ختم ہو جاتے اور پیچھے موت چھوڑ جاتے۔لیکن ہم جانتے ہیں کہ بادل ایک خاص مقدار ہی میں برستے ہیں۔اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا ایک علیم و خبیر رب کی تخلیق ہے جو مسلسل اس کے احوال کی خبر رکھ کر انتظام چلا رہا ہے۔جلد وہ دن آ رہا ہے جب وہ رب ہر شخص سے پوچھے گا کہ تم نے پانی کی عظیم نعمت کا کتنا شکر ادا کیا تھا۔

جوانی کے بعد

کہتے ہیں کہ جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ٹھیک کہتے ہیں۔ جوانی زندگی کی بہار ہے۔ بہار اپنے جوبن پر ہو تو واقعی دیوانہ کر دیتی ہے۔ یہ بھلا کیوں نہ دیوانگی کہلائے۔ جوانی حسن ہے۔ جوانی طاقت ہے۔ جوانی لذت ہے۔ جوانی جسم اور جذبے کے عہد شباب کا نام ہے۔

مگر یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر عروج کو زوال ہے۔ جوانی میں ایسا کیا ہے کہ اسے زوال نہ ہو۔ سو شباب کا یہ دریا کتنا ہی چڑھے ایک روز اترتا ضرور ہے۔ ڈھلتی عمر کے ساتھ حسن کی سرمستی ماند پڑنے لگتی ہے۔ قوت اور مردانگی کی رفعتیں زوال پذیر ہونے لگتی ہیں۔ پہلے تکان کا تصور اجنبی تھا۔ اب تکان کے ساتھ درد بھی جسم سے مستقل رشتہ گانٹھ لیتا ہے۔ نظر کمزور ہونے لگتی ہے۔ ہاتھ پاؤں کی طاقت ساتھ چھوڑنے لگتی ہے۔ جسم کے ساتھ جذبوں کی چڑھتی لہر بھی کمزوری کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

نادان پھر بھی نہیں سمجھتے کہ بنانے والے نے واپسی کے سفر کا پروانہ جاری کر دیا ہے۔ بڑھتی ہوئی تکان کے باوجود بے تکان دنیا کی سمت دوڑتے رہتے ہیں۔ ابھی بہت زندگی باقی ہے۔ ابھی بہت کام باقی ہے۔ گھر بنانا ہے۔ بچوں کی شادیاں کرنی ہیں۔ سونڈھال ہوتی طاقت کی ہر رمق سے دنیا خریدنے میں لگے رہتے ہیں۔ جو چھوڑ کر جانا ہے اسے جمع کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

جوانی کی چوٹی سے بڑھاپے کی ڈھلوان کا سفر اسی غفلت میں گزر جاتا ہے اور یقیناً گزر رہا ہے۔ میرا اور آپ کا سفر۔ مگر ہم میں سے کوئی بھی ماننا نہیں چاہتا۔ ہم اس کہانی کو دوسروں کی کہانی سمجھتے ہیں۔ مگر نہیں یہ تو ہماری کہانی ہے۔ زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ یہ کہانی ختم ہو جائے گی۔ اس وقت سے پہلے خدا کے حضور پیشی کی تیاری فرض ہے۔ رب کی بندگی، مخلوق کی خدمت، صبر اور اخلاق کی زندگی فرض ہے۔ جس نے یہ فرض نبھایا موت اس کے لیے جنت کا دروازہ ہے۔ جس نے اسے فراموش کیا وہ قیامت کے دن اندھا اٹھایا جائے گا۔ وہ خدا کو بھول گیا۔ خدا اسے بھول جائے گا۔

فرقہ واریت کا زہر

فرقہ واریت ایک ایسی برائی ہے جس کی مذمت سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے۔ یہود ونصاریٰ اور مشرکین چونکہ اسی مسئلے کا شکار تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو اس طرز عمل کو اختیار کرنے سے روکا۔ مثال کے طور پر سورہ روم میں ارشاد فرمایا کہ ان مشرکوں کی طرح نہ ہوجاؤ جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور گروہ در گروہ بن گئے۔ ہر گروہ کے پاس جو ہے وہ اسی میں مگن ہے، (آیت 32)۔

فرقہ واریت کسی خاص نقطہ نظر سے وابستگی کا نام نہیں، درحقیقت یہ اس انتہا پسندانہ سوچ کا لازمی نتیجہ ہے جس کے تحت ایک انسان خود کو آخری حق پر سمجھتا ہے اور دوسروں کو باطل قرار دیتا ہے۔ ایسا انسان پہلے مرحلے پر یہ فرض کرلیتا ہے کہ جس گروہ میں وہ بیٹھ گیا، جس بات کو اس نے سمجھ لیا، جس نقطہ نظر کا وہ قائل ہوگیا، اس کے غلط ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ غلطی اگر ہوگی تو دوسرے کے ہاں ہی ہوگی۔ باطل اگر کوئی ہے تو دوسرا ہی ہے۔

انتہا پسندانہ سوچ غیر اعلانیہ نوعیت کی پیغمبری کرنے کے مترادف ہے۔ اس لیے کہ یہ حق اس زمین پر صرف اور صرف اللہ کے کسی پیغمبر ہی کو حاصل ہے کہ وہ جو کہہ دے وہ حق بن جائے، وہ جو بیان کردے وہ خدا کی مرضی قرار پائے، وحی الٰہی کی جو شرح وہ کردے عین منشائے الٰہی قرار پائے۔ یہ پیغمبر ہی ہوسکتا ہے جس سے اختلاف کا حق کسی کو نہیں مل سکتا، جس کی بات کو قبول نہ کرنے کا مطلب جہنم کی سزا ہے، جس کے فہم کو تسلیم نہ کرنا کفر ہے۔

اس دنیا میں یہ حقوق صرف اور صرف پیغمبروں کے لیے خاص ہوتے ہیں۔ مگر انتہا پسند ذہنیت ان سارے حقوق کو اپنے نام کرلیتی ہے۔ وہ اپنے فہم دین کو آخری سچائی کے طور پر بیان کرتے اور اس سے اختلاف پر پیغمبروں کی طرح وعید سنانے لگتے ہیں۔ مگر درحقیت یہ رویہ غیر اعلانیہ پیغمبری ہے۔ اس دنیا میں اس کا نتیجہ فرقہ واریت اور فساد فی الارض ہے اور روز قیامت خدا کے حضور سخت ترین جواب دہی ہے۔

Eye Candy

Eye candy انگریزی زبان کی ایک اصطلاح ہے۔اس سے مراد کوئی ایسی چیز، منظر یا شخصیت ہے جسے دیکھنا اچھا لگے گرچہ اس کی علمی یا عملی کوئی اہمیت نہ ہو۔میڈیا کی دنیا میں یہ اصطلاح عام طور پر خوبصورت خواتین اوران کی جسمانی نمائش کے لیے استعمال ہوتی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ ناظرین ان کی نسوانی کشش کی بنا پر اس فلم یا پروگرام کو دیکھیں۔

دنیا بھر کے انٹرٹینمنٹ میڈیا میں آئی کینڈی کا استعمال عام ہے۔خاص کر فلموں اور ٹی وی پروگراموں میں کم ہی اس کے بغیر گزارا ہوتا ہے۔البتہ حالات حاضرہ کے پروگراموں میں اس کا استعمال بہت کم اور علمی پروگراموں میں تو بالکل نہیں ہوتا۔ ہمارے ملک کے میڈیا کو البتہ یہ اعزاز حاصل ہے کہ حالات حاضرہ کے بیشتر پروگراموں میں کسی آئی کینڈی کو بطور میزبان لے کر ناظرین کی توجہ حاصل کی جاتی ہے۔ٹی وی کے سنجیدہ ناظرین یہ سمجھتے ہیں کہ اس وقت نشر ہونے والے حالات حاضرہ کے بیشتر پروگرام، آئی کینڈی میزبانوں کے ذریعے سے باہمی مسابقت کررہے ہیں۔

میرا تعلق چونکہ برسہا برس تک میڈیا سے رہا ہے اس لیے میں اپنے بعض ایسے تجربات بھی قارئین سے شیئر کرسکتا ہوں جن سے انھیں اندازہ ہوگا کہ سنجیدہ پروگراموں میں بھی کسی حسینہ کی موجودگی محض حسن اتفاق نہیں ہوتی۔ میں کئی برس تک ایک مذہبی ٹی وی پروگرام کا میزبان رہا ہوں جو اس زمانے میں سب سے زیادہ دیکھا جانے والا مذہبی پروگرام تھا۔ پروگرام کی ابتدا میں مینجمنٹ کا اصرار تھا کہ میرے ساتھ کوئی خاتون میزبان بھی ہوں۔ چنانچہ ایک ایسی خاتون کا انتخاب عمل میں آیا جن کا نہ دینی علم سے کوئی تعلق تھا نہ ٹی وی پروگراموں کا کوئی تجربہ تھا۔ان کی واحد وجہ انتخاب نسوانی جمال تھا۔

کچھ پروگرام تو انھوں نے جیسے تیسے کر لیے، مگر پھر ایک پروگرام میں ڈاکٹر اسرار مرحوم تشریف لائے۔ پروگرام کے دوران میں پروڈیوسر صاحب مسلسل ہمارے کان میں یہ صور پھونک رہے تھے کہ فلاں سوال کریں۔ پھر انھوں نے ایک ایسے سوال پر اصرار کیا جو بالکل بے تکا تھا۔ میں نے اس کو نظر انداز کر دیا۔ مگر خاتون کو اس کے بے تکے پن کا اندازہ نہ تھا سو انھوں نے وہ سوال کر ڈالا۔ اب جو لوگ ڈاکٹر صاحب مرحوم سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ بڑے جلالی بزرگ تھے۔ انھوں نے سوال کے جواب میں خاتون کو ڈانٹ دیا۔ اگلے پروگرام سے خاتون ہمیں داغ مفارقت دے گئیں اور پھر کئی برس تک وہ پروگرام میں نے تنہا ہی کیا۔

میں بحیثیت اسکالر بھی کافی عرصے تک ٹی وی کے مختلف پروگراموں میں آتا رہا ہوں۔ پھر ایک وقت آیا کہ میں نے میڈیا کی دنیا کو خیر باد کہنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد جب کبھی کسی ٹی وی چینل کی طرف سے رابطہ کیا جاتا میں معذرت کر لیتا۔ ایسے میں رابطہ کرنے والے اکثر یہ پوچھ لیتے تھے کہ کسی اور اسکالر کے بارے میں بتا دیجیے۔ ایک دفعہ ایسے ہی کسی موقع پر جب میں نے معذرت کی تو پروگرام کے پروڈیوسر نے دریافت کیا کہ سر کیا یہ ممکن ہے کہ آپ کسی خاتون اسکالر سے رابطہ کرا دیں...... اور ہاں وہ خوبصورت بھی ہونی چاہیے۔ بعد ازاں جب ٹی وی پر بعض مذہبی پروگرام دیکھے جن میں خواتین اسکالر یا نعت خواں موجود تھیں تو اندازہ ہوا کہ انتخاب کرنے والوں نے خوبصورتی ہی کو بنیادی معیار بنایا ہے۔

بہر حال اس طرح کے اور بھی کئی ذاتی مشاہدات ہیں، مگر میں چونکہ طالب علم ہوں اس لیے اپنے مطالعہ کی بنا پر بھی جانتا ہوں کہ میڈیا میں دو چیزیں بکتی ہیں۔ ایک ہاٹ اور ریڈیکل گفتگو اور دوسرے نسوانی جمال اور جنسی کشش۔ دنیا ان کا استعمال انٹرٹینمنٹ میں کرتی ہے۔ مگر ہائے افسوس کہ ہم نے علم و خبر کی دنیا کو بھی آئی کینڈی کی بھینٹ چڑھا دیا۔

ہمارے معاشرے کا اہم مسئلہ

قرآن مجید میں شیطان کے بارے میں یہ بیان ہوا ہے کہ اس نے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ بیان ہوئی ہے کہ شیطان کہ نزدیک وہ حضرت آدم سے برتر تھا۔ اس کا یہ تکبر ہی اس پر اللہ کی لعنت کا سبب بن گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جو چیز اپنے تکبر کی بنا پر شیطان نظر انداز کر گیا وہ یہ تھا کہ سجدہ کا حکم دینے والی اللہ تعالیٰ کی ہستی ہے جو آخری درجہ میں عدل کرنے والی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ میرٹ کے خلاف جا کر حضرت آدم کو وہ مقام دے دیں جس کے وہ مستحق نہیں تھے۔ چنانچہ انھوں نے اگر حضرت آدم کو زمین کا خلیفہ بنانے کا فیصلہ کیا اور اس بنیاد پر فرشتوں اور دیگر مخلوق کو انھیں سجدہ کرنے کا حکم دیا تو یہ عین میرٹ کے مطابق تھا۔

یہ میرٹ کیا تھا، آنے والے دنوں میں حضرت آدم نے اپنا میرٹ ثابت کر کے دکھایا اور یہ بتا دیا کہ وہ کس پہلو سے شیطان سے بہتر تھا۔ قرآن مجید کے مطابق انکار سجدہ کے واقعے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کی بیوی حضرت حوا کو ایک باغ میں رکھا۔ اور ان کو ایک خاص درخت کا پھل چکھنے سے روک دیا۔ مگر شیطان ان دونوں کو ورغلاتا رہا یہاں تک کہ اس کے بہکاوے میں آ کر ان دونوں نے اللہ کے حکم کا پاس نہ رکھا۔ مگر جیسے ہی ان کو احساس ہوا کہ ان سے غلطی ہوگئی ہے وہ فوراً اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور پوری قوت سے اس کے حضور رجوع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرمایا اور حضرت آدم کو پیغمبری کے منصب پر فائز کر کے دنیا میں بھیج دیا۔

اس واقعے میں حضرت آدم کی وہ فضیلت پوری طرح کھل کر سامنے آ گئی جو شیطان میں کسی پہلو سے موجود نہ تھی۔ وہ فضیلت تھی اعتراف کرنے کی صلاحیت۔ شیطان اور آدم دونوں صاحب اختیار مخلوق تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کسی بھی دوسری مخلوق کے برعکس جو اللہ کی مرضی

کے بغیر کچھ نہیں کرسکتی، ان دونوں یعنی انسانوں اور جنوں کو یہ موقع ملا ہوا ہے کہ اللہ کے جس حکم کو چاہیں مانیں اور جس کو چاہیں نہ مانیں۔ اسی اختیار کو استعمال کرتے ہوئے ابلیس نے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا تھا۔ اس نے نہ صرف انکار کیا بلکہ جب اس کی غلطی پر اس کو متنبہ کیا گیا تو وہ ہٹ دھرمی پر اتر آیا۔ یہ ہٹ دھرمی اتنی بڑھی کہ اس نے ''فبما اغویتنی ''(یعنی جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے) کے گستاخانہ الفاظ کہہ کر اپنے جرائم کی ذمہ داری معاذ اللہ، اللہ رب العالمین پر ڈال دی۔

اس کے برعکس حضرت آدم سے جیسے ہی غلطی ہوئی انھوں نے کوئی عذر پیش کیے بغیر اللہ سے فوراً معافی مانگی۔ اپنی خطا کا اعتراف کیا۔ یہی اعتراف وہ چیز بنی جس کی بنا پر حضرت آدم کی فضیلت کو اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑھا دیا کہ منصب نبوت پر فائز کر کے ان کو دنیا میں بھیج دیا۔

بدقسمتی سے آج ہمارے معاشرے میں لوگ اپنے باپ آدم کے بجائے ابلیس کے نقش قدم پر چلنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ عدم اعتراف ہمارے معاشرے کا اہم مسئلہ ہے۔ ہم میں سے بیشتر لوگ خاص کر جنھیں اللہ نے زندگی میں کچھ صلاحیت، مواقع اور ذہانت دے رکھی ہوتی ہے وہ دوسروں کا اعتراف کرنے کے بجائے ان کی مین میخ نکالنے اور لوگوں کی نگاہوں میں انھیں کمتر ثابت کرنے میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی خاص نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ کبھی کسی کی خوبی یا اس کے کسی کارنامے کا اعتراف کرنے میں دو لفظ بھی ضائع نہیں کرتے، لیکن جیسے ہی موقع ملتا ہے اس کی خامیوں، کمزوریوں اور عیوب کو چاہے وہ اس میں نہ پائی جائیں، نمایاں کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے طرز عمل سے فرزند ابلیس ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ اس کے برعکس فرزندان آدم اعتراف میں جیتے ہیں۔ اعتراف کرنے کی یہی عادت ان کے لیے خدا کے قرب اور جنت میں ان کے اعلیٰ درجات کا سبب بن جائے گی۔

دو تصویریں دو پیغام

آج کل الیکٹرونک میڈیا اور فیس بک پر دو تصویروں کا بہت چرچا ہے۔ پہلی تصویر کراچی کے ایک کم عمر جوڑے کی لاشوں کی ہے جنھوں نے محبت میں ناکامی کے آثار دیکھ کر خودکشی کرلی۔ دوسری تصویر ایک تین سالہ شامی بچے کی ہے جس کی لاش ترکی کے ساحل پر ملی۔ یہ بچہ پناہ کی تلاش میں یورپ پہنچنے کی کوشش میں اپنی ماں اور بڑے بھائی سمیت ڈوب گیا تھا۔

پہلی تصویر دو بچوں کے تنِ مردہ کی نہیں، ہمارے تربیت کے تمام اداروں کے تن مردہ کی تصویر ہے۔ یہ تصویر بتاتی ہے کہ سیاست اور دولت کی چکاچوند کیسے تربیت دینے والوں کو کھا گئی۔ والدین، اساتذہ، علماء، خاندان اور محلے کے بزرگ صدیوں سے انسانی تربیت میں بنیادی کردار ادا کرتے چلے آئے ہیں۔اس تربیت کا ایک اہم عنصر یہ ہوتا تھا کہ آغازِ شباب میں جو غیر معمولی ہارمونل تبدیلیاں آتی ہیں اور ان سے جو جنسی ہیجان جنم لیتا ہے، اس کو کیسے صبر، ضبط نفس، عفت کے احساس اور اپنی روایات کے لحاظ میں قابو میں رکھنا ہے۔ کیسے اپنی خواہشات اور رومانوی جذبات کے بجائے اقدار کے احترام کو ملحوظ رکھنا ہے۔

اس تربیت میں یہ سکھایا جاتا تھا کہ انسانی زندگی سب سے قیمتی چیز ہے۔خودکشی کتنے ہی پاکیزہ جذبے سے کی جائے، ایک بدترین عمل ہے۔محبت ایک فطری چیز ہے، ہو بھی جاتی ہے، مگر اس کا کمال قتل نہیں قربانی ہوتا ہے۔ والدین انسان کے سب سے بڑے محسن ہوتے ہیں، جوان کا نہیں ہوسکا، وہ کبھی کسی کا نہیں ہوسکتا۔ والدین کو بھی یہ سکھایا جاتا تھا کہ اللہ نے جو حق بچوں کو دیا ہے، ان کو بھی اس سے محروم نہ رکھا جائے۔

مگر اب یہ تربیت کون کرے۔ وہ میڈیا جو نسوانی حسن کو Eye Candy بنا کر اپنی دکان چلاتا ہے۔ وہ ٹی وی ڈرامے جہاں نوجوانی کے Lust Affair کو محبت کے نام پر سب سے

بڑی آفاقی قدر بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ وہ تعلیمی ادارے جہاں ہارمونز کی اتھل پتھل کا شکار معصوم بچے بچیوں کو علم و اقدار کے بجائے معلومات پڑھائی جاتی اور انگریزی سکھائی جاتی ہے۔ وہ دانشور جنھیں سیاست پر گفتگو کرنے کے سوا کچھ نہیں آتا۔ وہ مذہبی لیڈر جو فرقہ وارانہ جنگ سے کبھی فارغ نہیں ہوتے۔

دوسری تصویر بھی اپنے پیغام میں بالکل واضح ہے۔ یہ شام کے اس المیے کا بیان ہے جس میں 40 برس سے زائد ایک اقلیتی گروہ ملک کا اقتدار چھوڑنے پر تیار نہیں۔ باپ مر گیا تو قوم پر بیٹے کو مسلط کر گیا۔ لاکھوں لوگوں کے قتل اور ان سے کہیں زیادہ لوگوں کے اجڑنے کے باوجود یہ خانہ جنگی ختم نہیں ہو رہی۔ جنگ سے پریشان لوگ گھروں سے بھاگ رہے ہیں تو دنیا میں کہیں پناہ نہیں مل رہی۔

ہزاروں برس سے انسانی سماج کا سب سے بڑا مسئلہ یہ رہا ہے کہ ایک حکمران جب مسلط ہو جائے تو اس سے جان چھڑانے کا طریقہ کیا ہے۔ اقتدار طاقت کا نام ہے۔ کوئی طاقت ور کبھی اپنی مرضی اور خوشی سے اقتدار نہیں چھوڑتا۔ چنانچہ اقتدار کی تبدیلی کے لیے تاریخ میں اکثر خون بہتا رہا ہے۔ یہ خون غیروں ہی نے نہیں، بارہا اپنوں نے بھی بہایا ہے۔ اقتدار کے لیے باپ نے بیٹے کو، بیٹے نے باپ کو اور بھائی نے بھائی کو مارا ہے۔

ہزاروں برس کے بعد انسانی دانش نے پرامن انتقال اقتدار کا ایک طریقہ دریافت کیا اور سماج اس پر متفق ہو گیا۔ وہ یہ کہ چار پانچ برس کی حکمرانی کے بعد لازمی ہے کہ حکمران لوگوں سے اپنے اقتدار کی تائید دوبارہ مانگے۔ یہ نہ ملے تو اِسے خاموشی سے اقتدار چھوڑ کر اُسے اقتدار دینا ہوگا جسے لوگوں نے چن لیا۔ جو قومیں اس اصول کو نہیں مانتیں۔ ان کا انجام وہی ہے جو اھل شام کا ہو رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دو تصویریں ہمارے دانشوروں کی اہلیت کا امتحان ہیں۔ پہلی تصویر کا پیغام یہ ہے کہ ہمارے دانشوروں کو سیاست اور دولت کی چکا چوند کو چھوڑ کر تربیت کو اس معاشرے کا اصل مسئلہ بنانا ہے یا نہیں۔ دوسری تصویر کا پیغام یہ ہے کہ ہمیں پر امن انتقال اقتدار کو اس معاشرے میں فروغ دینا ہے یا کچھ مقدس ناموں اور جزوی خرابیوں کی بنیاد پر افراد اور اقلیت کی اُس آمریت کو قبول کرنا ہے جو لاکھوں لوگوں کی جان لیے بغیر معاشرے کی جان نہیں چھوڑتی۔

وقتی چیخ و پکار سے اوپر اٹھ کر ہمیں ان بنیادی معاملات میں ایک واضح نقطہ نظر اختیار کرنا اور معاشرے کو اس رخ پر ڈھالنا ہوگا۔ ورنہ تاریخ کا فیصلہ یہ ہے کہ پھر حالات بالجبر اپنا ایک فیصلہ ٹھونستے ہیں۔ یہ فیصلہ اکثر صورتوں میں بہت تباہ کن ہوتا ہے۔

دین کے بنیادی تقاضے

پروفیسر محمد عقیل

- ☆ دین کے احکامات پر مبنی ایک کتاب
- ☆ تزکیہ نفس کرنے والوں کے لئے مشعل راہ
- ☆ دین کے اوامر ونواہی کی سائنٹفک پریزنٹیشن
- ☆ ہر حکم کی مختصر تشریح
- ☆ ہر امر کا قرآن وحدیث سے حوالہ

قیمت: 150 روپے (ڈسکاؤنٹ کے بعد)

گھر بیٹھے کتاب حاصل کرنے کے لئے اس نمبر پر ابھی رابطہ کیجیے: 03323051201

سلسلہ روز وشب

ابویحییٰ

شیطان اور اس کے لشکروں کے حملے

ایک تمثیل ایک حقیقت

محترم قارئین آج میں اپنی گفتگو کا آغاز ایک تمثیل سے کرنا چاہوں گا۔

فرض کیجیے کہ آپ کسی ایسے محلے یا بستی میں مقیم ہیں جہاں کا کوئی اور رہائشی آپ سے بدترین دشمنی اور عداوت رکھتا ہو۔اس کی دشمنی اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ وہ آپ کی دشمنی میں خود کو برباد کر دینے کے لیے تیار ہے۔ وہ دشمن اکیلا ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھی بھی ہیں جو ہر طرح سے اس کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔اس سے کہیں بڑھ کر آپ کے اپنوں میں سے بھی کچھ لوگ اس کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔

اگر صورتحال واقعی یہی ہے تو پھر آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ آپ کتنی مشکل صورتحال سے دوچار ہو چکے ہیں۔آپ کی جان، مال عزت و آبرو کچھ بھی محفوظ نہیں رہے گی۔آپ ہی نہیں آپ کا پورا خاندان زبردست خطرے کی زد میں ہوگا۔آپ کے پاس دو ہی انتخاب باقی رہ جائیں گے۔ یا تو آپ وہ بستی چھوڑ جائیں یا پھر ہر وقت مقابلے اور تیاری کی حالت میں رہیں تاکہ اپنا تحفظ کرسکیں۔

یہ بات سن کر بہت سے لوگ شکر ادا کر رہے ہوں گے کہ وہ کسی ایسی صورتحال سے دوچار نہیں ہیں۔ بہت سے لوگوں نے یقیناً اسے ایک مفروضہ سمجھ کر سرسری طور پر لیا ہوگا۔مگر حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے وہ کوئی مفروضہ یا تمثیل نہیں ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص چوبیس گھنٹے بلکہ اپنی پوری زندگی اس سے بھی کہیں زیادہ خوفناک صورتحال سے دوچار رہتا

ہے۔ہم سب جو آدم و حوا کی اولاد ہیں، ہمہ وقت ایک انتہائی خوفناک اور خطرناک دشمن کی نفرت، حسد، بغض اور عداوت کا شکار ہو کر جی رہے ہیں۔ یہ دشمن شیطان اور اس کی ذریت ہے۔

شیطان کون ہے؟

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان دراصل ایک جن تھا۔قرآن مجید اسے ابلیس کے نام سے یاد کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو تمام فرشتوں نے اللہ کے حکم کے مطابق سجدہ کیا۔ایسے میں ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا۔فرشتوں کے ساتھ اس کے ذکر کی وجہ سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کوئی معمولی حیثیت کا جن نہیں تھا بلکہ ایک ایسی ہستی تھا جسے جن ہونے کے باوجود ایک بڑی حیثیت حاصل تھی۔ مخلوقات میں اس کی حیثیت اتنی نمایاں تھی کہ اللہ کہ حکم کے باوجود آدم کو سجدہ کرنا اپنی توہین سمجھا۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی گفتگو سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود بارگاہ الوہیت میں کتنا رسوخ رکھتا تھا۔

قرآن مجید کے مطابق سجدے سے انکار کے بعد جو کچھ مطالبات اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھے،ان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ بارگاہ الوہیت کا کتنا مزاج شناس تھا۔مثلاً اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کبھی مغلوب الغضب نہیں ہوتے۔ چنانچہ عین اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے موقع پر بھی یہ اطمینان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے گفتگو کرتا رہا اور اس سے اپنے اور انسانیت کے مستقبل کے حوالے سے اپنی حد تک تو آج کل کی اصطلاح میں ایک کامیاب ڈیل کی کہ جو چاہا مانگ لیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس احمق نے اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ جیسی کریم اور بلند ہستی سے معافی مانگنے کے بجائے مہلت مانگی جو اسے دے دی گئی۔

قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے قیامت تک کی مہلت اس پہلو سے مانگی کہ اس کو اور اس کی اولاد کو انسانوں کو بہکانے کا مکمل موقع دیا جائے۔اس کے بہکاوے میں آکر انسانیت جس طرح خدا کی نافرمانی اور ناشکری کرے گی اس سے شیطان یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوجائے گا کہ انسان اس منصب خلافت کا اہل نہیں تھا جو زمین پر اسے دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی بلند اور اعلیٰ ہستی نے شیطان کا یہ چیلنج منظور کرلیا۔صرف یہ پابندی لگادی کہ شیطان کسی کے ساتھ زبردستی نہیں کرسکتا بلکہ وہ صرف وسوسہ انگیزی کر سکے گا۔ جو لوگ شیطان کی پیروی کریں گے اسی کے ساتھ جہنم رسید ہوں گے اور جو نیک بندے شیطان کے مکروفریب میں آنے سے انکار کردیں گے وہ جنت کے حقدار ہوں گے۔

شیطانی ہتھکنڈے اور ہماری کمزوریاں

اس تفصیل سے قارئین یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ تمام انسانیت اس وقت کتنی سنگین صورتحال میں گرفتار ہے۔شیطان نے اللہ کے سامنے کھڑے ہوکر اس کی عزت وجلال کی قسم کھا کر یہ چیلنج دیا تھا کہ میں ان سب کو گمراہ کر کے دم لوں گا۔خدا کی مرضی کے راستے پر چلنے کے بجائے اس کی نافرمانی کے راستے پر چلاؤں گا۔جس ہستی نے یہ چیلنج اپنی بربادی کی قیمت پر کیا ہے، ظاہر ہے کہ وہ اس کو پورا کرنے کے لیے کسی بھی حد پر جانے کے لیے تیار رہے گی۔یہی کچھ شیطان ،اس کی ذریت اور اولاد نے تاریخ میں ہمیشہ کیا ہے۔

تاہم شیطان کا اختیار صرف وسوسہ انگیزی تک محدود ہے اس لیے وہ اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے ہمارے اندر موجود اپنے دوست یعنی ہمارے نفسانی تقاضوں، نفسیاتی کمزوریوں اور انسانی ضعف کو استعمال کر کے ہمیں گمراہ کرتا ہے۔ہم اگر اپنی ان کمزوریوں کو سمجھ لیں تو ہمیں شیطان کے ہتھکنڈے سمجھنا اور ان سے بچنا بہت آسان ہوجائے گا۔ذیل میں ایسی

ہی کچھ اہم انسانی کمزویوں کا بیان ہے جن کو استعمال کر کے شیطان انسانوں کو ہر دور میں بھٹکا تا رہا ہے اور آج بھی بھٹکا رہا ہے۔

ظاہر پرستی اور نامعقول جذباتیت

انسانوں کی پہلی اور بنیادی کمزوری یہ ہے کہ انسان گرچہ ایک عقلی وجود ہے اور اسی عقل کے سہارے وہ کرہ ارض پر اپنا اختیار قائم کیے ہوئے ہے، لیکن جیسے ہی مذہب کا معاملہ آتا ہے، انسان اپنی عقل کو اٹھا کر کونے میں پھینک دیتا ہے اور نری ظاہر پرستی، سطحیت اور جذباتیت کا شکار ہو جاتا ہے۔

اس کی سب سے بڑی مثال شرک اور الحاد ہے۔ دین کا بنیادی تقاضہ اللہ کی ہستی کو اپنا سب کچھ تسلیم کر لینا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ انسانی حواس سے بلند ہیں۔ وہ نظر نہیں آتے۔ ان کو صرف عقل استعمال کر کے دریافت کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس معاملے میں لوگ ہمیشہ سطحی جذبات کا شکار رہے ہیں۔ چنانچہ ہر دور میں لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو پوجا ہے جس کی واحد خوبی یہ تھی کہ وہ مخلوق ہونے کی بنا پر حواس کی گرفت میں آجاتا ہے۔ اسی لیے انسانوں نے بتوں کے سامنے ماتھا ٹیکا ہے، انسانوں کو خدا کی ذات یا صفات کا حصہ سمجھ کر ان سے عبادت اور استعانت کا تعلق قائم کیا ہے۔ چاند سورج اور تاروں کو رب بنایا ہے اور ہر اس مخلوق کی پرستش کی ہے جس کی طرف شیطان ان کو کھینچ کر لے گیا ہے۔

آج کے دور میں یہ کمزوری ایک دوسرے پہلو سے ظاہر ہو رہی ہے۔ یعنی خدا چونکہ نظر نہیں آتا اس لیے لوگ سرے سے خدا کے وجود کے منکر ہو گئے۔ کائنات کا پورا نظام اپنی خاموش آواز سے پکار کر یہ گواہی دے رہا ہے کہ میرا بنانے والا ایک خالق ہے، مگر یہ عقل کے اندھے مان کر نہیں دیتے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ شیطان انسانوں کی اس کمزوری کا فائدہ اٹھا کر ان کو بہکاتا ہے

اور یہ لوگ اس کے فریب میں آجاتے ہیں۔ایسے لوگوں سے کبھی گفتگو کر لیجیے۔آپ کو نامعقول جذباتیت کی ایک بالکل نئی سطح کا تجربہ ہوجائے گا۔ان کو ساری شکایات اہل مذہب سے ہوتی ہیں۔اس میں یہ کسی نہ کسی حدتک حق بجانب ہوتے ہیں۔لیکن نامعقول مذہبی رویوں کو چھوڑ کر درست مذہب کو تلاش کرنے کے بجائے خدا کے انکار کو معقولیت سمجھتے ہیں۔اس سے بڑی نامعقولیت اور کیا ہوسکتی ہے۔

جنسی بے راہ روی

روز ازل شیطان نے انسان کو جب رب کی نافرمانی پر آمادہ کیا تو اس نے انسان کے جنسی جذبے ہی کو استعمال کیا تھا۔یہی اس نے ہر دور میں کیا اور آج تو سب سے بڑھ کر وہ جنسی معاملات کے ذریعے سے انسانوں کو اللہ کی مقرر کردہ حدود سے بھٹکا رہا ہے۔

موجودہ تمدن جس کی بنیاد مغربی اقوام نے رکھی ہے، آزادی اس میں ایک بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ جنسی آزادی اس کا ایک لازمی حصہ ہے۔اس کے نتیجے میں عریانی، فحاشی، مردوزن کے آزاد تعلقات اور اب ہم جنسی تعلقات سب اسی تہذیب کے لوازم ہیں۔

انفارمیشن ایج سے قبل جنسی آزادی کا یہ کلچر کچھ حدودو قیود میں تھا۔مگر اب تو صورتحال یہ ہے کہ انٹرنیٹ کے ذریعے سے دنیا کے ہر گھر میں اور ہر شخص کی انگلیوں کی نوک کے نیچے یہ پورا برہنہ کلچر آچکا ہے۔انسان چونکہ جنسی جذبے سے بہت تیزی سے مغلوب ہوتا ہے اس لیے شیاطین اس پہلو سے مسلسل وسوسہ انگیزی کر کے لوگوں کو آمادہ کرتے ہیں کہ وہ بہت آسانی سے دستیاب برہنہ تصاویر، عریاں فلموں اور فحش مناظر سے لطف اندوز ہوں۔

جو لوگ کچھ مزاحمت کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے شیاطین نے کچھ اور انتظامات کر رکھے ہیں۔مثلاً یہ کہ عام فلموں میں بھی جگہ جگہ ایسے مناظر ڈال دیے جاتے ہیں جو قلب و نظر کو آلودہ

کرتے ہیں۔ اب کوئی شخص یہ سب کچھ نہیں بھی دیکھنا چاہتا، مگر وہ کوئی عام فلم دیکھ رہا ہے تو غیر ضروری طور وہ یہ مناظر دیکھنے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ اسی طرح فیس بک وغیرہ پر مسلسل ایسی چیزیں خود بخود سامنے آتی رہتی ہیں جن کے پیچھے جانے سے خود کو روکنے کے لیے بہت مضبوط ایمان اور ارادے کی ضرورت ہوتی ہے جو کم ہی لوگوں کے پاس ہوتا ہے۔

غفلت اور دنیا پرستی

شیطان کا ایک بہت اہم ہتھیار غفلت اور دنیا پرستی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ انھوں نے امتحان کی غرض سے اپنے اور انسان کے بیچ غیب کا ایک پردہ حائل کر رکھا ہے۔ انسان کو اس دنیا میں یہ مکمل آزادی دی گئی ہے کہ وہ جو چاہے عمل کرے، وہ اس میں آزاد ہے۔ انسان کو البتہ یہ بتادیا گیا ہے کہ جو برے کام کریں گے ان کا بدلہ جہنم کی آگ ہے۔ اور جو اچھے کام کریں گے ان کا بدلہ جنت ہے۔

مگر امتحان کی بنا پر خدا کی طرح یہ جنت اور جہنم بھی سردست پردہ غیب میں ہیں۔ جو چیز سامنے ہے وہ دنیا اور اس کی رنگینیاں ہیں۔ اس کا نفع ہے۔ اس کا نقصان ہے۔ اس کی زینت اور خوبصوتی ہے۔ مادی زندگی کا عروج ہے۔ چنانچہ انسان کی وہ ظاہر پرست طبیعت جس کا اوپر ذکر ہوا خدا اور جنت و جہنم کو بھول کر اسی دنیا کے خیر و شر اور پانے اور کھونے کو اپنا سب سے بڑا مسئلہ بنا لیتی ہے۔

لوگ اسی دنیا کے ملنے پر ہنستے اور اسی کے چھننے پر روتے ہیں۔ اسی کے نفع کو اصل کامیابی اور اسی کے نقصان کو اصل خسارہ سمجھتے ہیں۔ لوگ اپنی ہر جیت یہاں پر دیکھنا چاہتے ہیں اور ہر شکست سے یہاں پر ہی بچنا چاہتے ہیں۔ یہ رویہ خدا و آخرت سے غفلت پیدا کرتا ہے۔ یہ انسان کو دنیا پرست بناتا ہے۔ ایسا غافل اور دنیا پرست انسان شیطان کا سب سے بڑا نشانہ بن جاتا

ہے۔شیطان اس دنیا اوراس کی کامیابی کے پیچھے انسان کو لگاتا اور ہر خیر وشر سے اسے بے نیاز کر دیتا ہے۔جس کے بعد انسان ہر حد توڑتا، ہر ظلم کا ارتکاب کرتا اور ہر بند کو عبور کرتا چلا جاتا ہے۔جس کے بعد وہ شیطان کا کھلونا بن جاتا ہے جس سے وہ جس طرح چاہے کھیلتا ہے۔

انانیت

قرآن مجید کے مطابق شیطان نے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں جو کچھ کیا اس کی اصل وجہ تکبر تھی۔یہی وہ منفی جذبہ ہے جو انسانوں کو آخری درجے میں خدا کا نافرمان بنا دیتا ہے۔چنانچہ جو شخص کسی اور طریقے سے قابو نہیں آتا، اس کے لیے شیاطین تکبر کا داؤ استعمال کرتے ہیں۔ انسان خود کو بڑا سمجھتا ہے۔اپنے عمل کو بڑا عمل خیال کرتا ہے۔وہ اپنی دولت، طاقت، مقام و مرتبے، حسن، علم، ذہانت، صلاحیت اور اقتدار پر نازاں ہوتا ہے۔اس کا یہی ناز اسے خدا کی بارگاہ میں ایک مجرم بنا دیتا ہے۔ایسا انسان حق کا انکار کرتا ہے، کمزوروں پر ظلم کرتا ہے، معصوموں کا حق دباتا ہے۔ان میں سے ہر چیز غضب الٰہی کو بھڑ کانے کا سبب بن جاتی ہے۔

بہت سے لوگ اپنی ذات میں متکبر نہیں ہوتے بلکہ بہت متواضع طبیعت کے حامل ہوتے ہیں۔مگر ایسے لوگ اکثر اوقات اپنی قوم، پارٹی، فرقے، گروہ کے بارے میں تعصّبات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ان کے نزدیک جن سے وہ وابستہ ہیں، وہ کبھی غلطی کر ہی نہیں سکتے۔ بر بنائے بحث وہ مان لیں گے کہ غلطی ہوسکتی ہے، مگر یہ کبھی نہیں مانیں گے کہ ان کے لوگوں نے غلطی کی ہے۔چنانچہ ایسے لوگوں میں ایک نوعیت کا گروہی تکبر پیدا ہوتا ہے۔

یہ گروہی تکبر بھی انفرادی تکبر کی طرح انسان کا دشمن ثابت ہوتا ہے۔یہ علم اور فکر کے لحاظ سے ظہور کرے تو لوگ اپنے گروہ سے باہر کبھی کسی سچائی کو قبول نہیں کرتے۔چاہے وقت کا پیغمبر بھی اس سچائی کو پیش کرے۔یہود اس کی سب سے نمایاں مثال ہیں۔آج کل بھی بظاہر نیکی کو اختیار

کیے ہوئے بہت سے لوگ عام طور پر اسی گروہی تکبر کا شکار ہوتے ہیں اور اپنے گروہ سے باہر کی ہر سچائی کو اطمینان سے رد کر کے شیطان کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں۔

یہ تکبر اگر قوم یا قبیلے کے لحاظ سے ظہور کرے تو نسل پرستی، لسانیت اور صوبائیت جیسے امراض کا باعث بنتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ظلم، زیادتی، حق تلفی اور ناانصافی جیسے جرائم کا ظہور ہوتا ہے۔ ان دونوں پہلوؤں سے گروہی تکبر کے مریض شیطان کا صرف نشانہ ہی نہیں بنتے بلکہ اس کے مقاصد کی تکمیل کے لیے اس کا آلہ کار بھی بن جاتے ہیں اور بہت اعتماد کے ساتھ دوسروں کو شیطان کے راستے پر چلاتے ہیں۔

دین کی تعلیم میں افراط و تفریط

اس سلسلے کی آخری اہم بات یہ ہے کہ شیطان کے مقابلے میں انسانوں کی مدد کے لیے اللہ پروردگار عالم نے ہر دور میں اپنے نبیوں کو انسانوں کی رہنمائی کے لیے بھیجا ہے۔ تاہم شیاطین نے ایک طرف تو لوگوں کو ظاہر پرستی، غفلت اور تکبر کے جال میں پھنسا کر ان کا انکار کرایا۔ ساتھ میں شیاطین نے ایک دوسرا راستہ یہ اختیار کیا کہ جو لوگ کسی طور ان کے جال میں نہیں آئے اور انبیاء کے ساتھی بن کر ان کے مددگار بن گئے، انھوں نے ان کو افراط و تفریط کا نشانہ بنا کر دین کی اصل تعلیم کو سامنے نہیں آنے دیا۔

مثال کے طور پر یہود میں ظاہر پرستی پیدا کر دی گئی۔ ان میں چھوٹے چھوٹے غیر اہم اعمال اہم ترین بن گئے اور اہم ترین دینی اعمال کی کوئی حیثیت نہیں۔ ایمان، رحم اور انسانی ہمدردی کے بجائے کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا ان کے نزدیک اصل دین بن گیا۔ اس رویے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شدید تنقید کی۔

بدقسمتی سے خود آنجناب کے پیروکاروں نے بھی ایک دوسری انتہا کو چھو لیا۔ انھوں نے

شریعت کی پابندیوں کو مکمل طور پر چھوڑ دیا۔آپ کی عقیدت میں غلو کرکے آپ کو خدا کا بیٹا سمجھنا شروع کردیا اور رہبانیت جیسی بدعت کو نیکی سمجھ کر اختیار کرلیا۔ یہ مثالیں افراط وتفریط کے وہ نمونے ہیں جو دراصل شیطان کی کارفرمائی کے سبب وجود میں آتے ہیں۔لوگ ان کو نیکی سمجھ کر اختیار کرتے ہیں،مگر درحقیقت یہ افراط وتفریط گمراہی ہے۔رفتہ رفتہ لوگ اس گمراہی کو اصل دین سمجھ لیتے ہیں۔

آج یہی معاملہ مسلمانوں کا ہے۔گرچہ مذہب اسلام ہرطرح کی تحریفات سے پاک ہے اور کوئی گمراہی اس کے ماخذ میں جگہ نہیں پاسکتی۔لیکن عملی طور پر اس کا امکان پوری طرح ہے کہ لوگ اصل دین کو چھوڑ کر غیر متعلق چیزوں کو اہم بنادیں۔بدقسمتی سے یہی ہمارے ہاں ہوا ہے۔ ہمارے ہاں دین کی اصل تعلیم بڑی حد تک غیر متعلق ہوچکی ہے اور دین کے نام پر دیگر چیزوں کو رواج ہوگیا ہے اور ان ہی کو نیکی وتقویٰ کی معراج سمجھا جاتا ہے۔چنانچہ اسی پس منظر میں اس عاجز نے اپنی کتاب ''قرآن کا مطلوب انسان'' میں یہ کوشش کی ہے کہ دین کی اصل تعلیم کو بے کم وکاست لوگوں کے سامنے پیش کردیا جائے تاکہ جو لگ سچے دل سے ہدایت کے طلبگار ہیں وہ باآسانی دین کے اصل احکام کو اس کے بنیادی ماخذ سے خود پڑھ کر سمجھ لیں۔

خلاصہ

بہرحال اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ شیطان انسان کا دشمن ہے۔دشمن بھی وہ جس کے وار سے بچنا بہت مشکل ہے۔چنانچہ ہم میں سے ہر شخص کو پوری طرح اس دشمن اور اس کے حربوں کے بارے میں متنبہ رہنا چاہیے۔یہی عافیت اور سلامتی کا راستہ ہے۔

جہاں رہیے بندگان خدا کے لیے رحمت بن کر رہیں، باعث زحمت نہ بنیے۔

ابو یحییٰ

خود کو بدلنا

محترم فاروق خٹک صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ 09/07/15

آپ کا درمندی سے بھرپور خط پڑھا۔ میں خود سعودی عرب میں کئی برس رہا ہوں (جس کی تفصیل آپ میرے سفرنامے کھول آنکھ زمین دیکھ میں پڑھ سکتے ہیں)۔ وہاں کے ماحول سے واقف ہوں۔ پاکستان میں تو اب مقیم ہی ہوں۔ اس لیے آپ نے جو چیزیں ان دو ملکوں کے حوالے سے بیان کی ہیں ان سے بخوبی واقف ہوں۔ تاہم اصل بات جس کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہم کو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

ہم نے جو ادارہ انذار بنایا ہے اس کا ایک اصول میں لوگوں پر بار بار واضح کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ ہم نے دنیا کو بدلنا نہیں ہے۔ ہم کو دنیا تک اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔ بدلنا ہم نے اپنے آپ کو ہے۔ یہ اصول قرآن مجید کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ مگر یہی وہ اصول ہے جس کو نظر انداز کر دیا جائے تو مایوسی پھیلتی ہے۔

ہمیں کیا کرنا ہے اس کے لیے آپ میری کتاب قرآن کا مطلوب انسان کا مطالعہ کیجیے۔ یہ بنیادی کام ہے۔ یہ اصل دعوت ہے۔ اس سے شروع کیجیے۔ خود کو نشانہ بنایئے اور اس کے مطابق بدلتے جایئے۔ ساتھ میں اس پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ ایک آدمی بھی بدل گیا تو حدیث کے مطابق یہ آپ کے لیے سو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ کوئی نہیں بدلا تب بھی آپ کا اجر محفوظ ہے۔ جو اصول میں نے بیان کیا ہے اس کو گرہ سے باندھ لیں۔ ہم نے دنیا کو نہیں بدلنا۔ دنیا تک اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔ بدلنا ہم نے اپنے آپ کو ہے۔

ابو یحییٰ

سوال و جواب

ابو یحییٰ

جنت کے اعلیٰ درجات اور عالم دین

سوال:

اسلام علیکم

سر آج تفسیر پڑھتے ہوئے اچانک میرے ذہن میں یہ سوال آیا۔

سر ایک شخص جو ایک عالمِ دین نہیں ہے، اور ہر شخص عالمِ دین بن نہیں سکتا، وہ جنت میں اعلیٰ درجات کو کیسے پا سکتا ہے؟ کیا وہ بھی انہی درجات کو پا سکتا ہے جو شہدا، صدیقین اور صالحین کو ملیں گے؟ سر جنت میں اعلیٰ درجات پانے کا ایک ذریعہ تو اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت ہے، مولانا مودودی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز اور روزہ تو ہر کوئی ادا کرتا ہے اگر جنت میں اعلیٰ درجات پانے ہیں تو اللہ کے دین کی اشاعت کرو۔ مگر سر اس میں یہ ہے کہ ہر شخص تو دین کی تبلیغ نہیں کر سکتا تو ایک عام آدمی جنت میں شہدا، صدیقین اور صالحین کی رفاقت اور ان کے درجات پانے کے لیے کیا کر سکتا ہے۔

والسلام، محمد اسد

جواب:

وعلیکم السلام ورحمت اللہ وبرکاتہ

بڑے درجات کے لیے عالم دین بننا ضروری نہیں۔ جو چیز ضروری ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو اللہ نے جو کچھ بنایا ہے وہ اس کی ذمہ داریاں اچھی طرح ادا کرے۔ اپنی نیت کو اللہ کے لیے خالص کرے۔ جو حقوق قرآن مجید میں عائد کیے گئے ہیں، جن کی تفصیل میری کتاب ''قرآن کا

مطلوب انسان' ' میں بیان کی گئی ہے، ان کو ادا کرے۔

اعلیٰ درجات کے لیے دین کے جمال وکمال کے پہلو سے متعلق ہدایت کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ مثلاً زکوۃ فرض ہے، مگر اس سے بڑھ کر اپنا مال راہ خدا میں خرچ کرنا، تنگی میں خرچ کرنا، لوگوں کے برے سلوک کے باوجود ان پر احسان کرنا وہ چیزیں ہیں جو جنت کے اعلیٰ درجات کی ضامن ہیں۔ یہ ایک مثال ہے ورنہ دین کے ہر عمل میں جمال وکمال کے ایسے ہی پہلو ہیں۔ یہی لوگ جنت کے اعلیٰ ترین درجات کے حامل ہوں گے چاہے وہ ایک عام تاجر ہوں، ملازم ہوں یا کوئی اور شخص۔

مولانا مودودی نے جو کچھ کہا اس کا ایک خاص محل ہوسکتا ہے۔ نصرت دین کا کام بھی بڑے درجات حاصل کرنے کا راستہ ہے، مگر اس کے ساتھ دوسرے سارے احکام ادا کرنے ضروری ہیں۔ صرف اسی پر توجہ کرنے اور باقی معاملات میں غفلت سے کچھ نہیں ہونے کا۔

یاد رکھیے دین کے ہر حکم پر عمل کرنے کے ساتھ مجموعی طور پر ہماری شخصیت میں نکھار آنا چاہیے۔ جتنی مضبوط، صابر اور شاکر یہ شخصیت ہوگی اتنا ہی بلند درجہ انسان کو ملے گا۔

\-

بت پرستی اور خدا کی عبادت

سوال:

السلام علیکم

ایک سوال دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ ہندومت کے تصور بت پرستی کو پڑھا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ کوئی خدا کو نہیں دیکھ سکتا اس لیے کوئی ایسی چیز بنالی جاتی ہے جس سے انسان کے جذبات منسلک ہوجائیں۔ ہم پوجا یا عبادت بتوں کی نہیں کرتے بلکہ بتوں کی صورت میں خدا کو یاد

کرتے ہیں۔جیسے مسلمان کعبہ کی عبادت نہیں کرتے۔عیسائی بھی آسمانی باپ اور عیسیٰ علیہ السلام کی تصاویر بناتے ہیں۔کیا یہ منطقی دلیل نہیں۔وہ بت کو صرف سمبل کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔اور کیا جو ہندو بچپن سے پوجا کرتے آئے ہیں جن تک اسلام کی تعلیمات نہیں پہنچ سکیں یا وہ سب ہی کو صحیح سمجھتے تھے۔کیا ان کو ہمیشہ آخرت میں مشرکین کے زمرے میں رکھا جائے گا۔ایک کوٹ کرتا ہوں۔

"Many Christians and Muslims are surprised to see Hindus pray to stone idols; many of them in fact. They term this pagan worship. We must understand that there is no such thing as idol worship in Hinduism; it is worship through idols."

''بہت سے مسلمان اور عیسائی اس بات پر حیران ہیں کہ ہندو پتھر کے بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ اس کو مشرکانہ پرستش کا نام دیتے ہیں۔ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہندوازم میں بتوں کی پوجا نام کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ بتوں کے ذریعے سے پوجا ہے نہ کہ بتوں کی پوجا۔''

آپ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اور کوئی ہندو گر چہ اس کا نام کسی دیوی یا دیوتا کے نام پر ہو مسلمان ہونے کے بعد اپنا نام وہی رکھ سکتا ہے؟ اور کیا مسلمان ان کی ان مذہبی رسوم میں شرکت کر سکتا ہے جن میں شرک نہ ہو؟ اور جیسے ہندو قدم جھک کر چھوتے ہیں۔انڈیا میں مسلمان بھی ایسا کرتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے؟ برائے مہربانی وضاحت کر دیں، ہارون۔

جواب:

محترم ہارون صاحب

وعلیکم السلام ورحمت اللہ وبرکاتہ

گزارش یہ ہے کہ یہ باتیں بس باتیں ہی ہوتی ہیں جو دل کو مطمئن کرنے کے لیے کر لی جاتی

ہیں۔ ذرا غور فرمائیے کہ کیا بت پرستی کرنے والے اللہ کا بت بنا کر اس کی پوجا کرتے ہیں یا رام، سیتا، کرشنا، شیوا اور وشنو کا پوج رہے ہوتے ہیں؟ بت اللہ کے نہیں، ہمیشہ غیر اللہ کے بنائے جاتے ہیں۔ مسیحی حضرات بھی مریم و مسیح کے بت بناتے ہیں، اللہ کے نہیں بناتے۔ اس لیے بت پرستی ہمیشہ غیر اللہ کے نام پر فروغ پاتی ہے۔ اللہ کا بت کوئی نہیں بناتا۔

اب رہا یہ سوال کہ کیا اللہ کا بت بنایا جا سکتا ہے تو یہ اسی وقت ممکن ہے جب اللہ کو دیکھا جا سکے یا وہ احاطہ تصور میں آ سکے۔ اس کی ہستی ہماری نظر سے بلند اور تصور سے باہر ہے، اس لیے اس کا کوئی بت کبھی نہیں بن سکتا۔ خانہ کعبہ کی عبادت نہیں ہوتی۔ اس کی طرف رخ کیا جاتا ہے۔ خلاصہ میری بات کا یہ ہے کہ بت پرستی ہمیشہ شرک اور غیر اللہ کی عبادت کے لیے فروغ پاتی ہے نہ کہ اللہ کی عبادت کے لیے۔ اللہ کی عبادت کے لیے کسی مجسمہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے بت پرستی کے حق میں یہ ایک باطل استدلال ہے جس کی کوئی علمی یا عقلی حیثیت نہیں۔

مزید یہ کہ بت پرستی کرنے والے بیشتر لوگ اس فلسفیانہ ذہن کے تحت نہیں سوچ رہے ہوتے جو سوال میں بیان ہوا ہے۔ بلکہ وہ تو واقعی بتوں کے آگے سر ٹیک کر، انھی سے مانگ رہے ہوتے ہیں۔ اس پہلو سے بھی یہ استدلال درست نہیں بلکہ بت پرستی کرنے والے ان بتوں کو وہی شخصیت مان کر ان کی پوجا پاٹ کر رہے ہوتے ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ ان ہندوؤں کا کیا ہوگا تو اس کا علم اللہ کو ہے۔ ان کی جوابدہی اسی علم کی بنیاد پر ہوگی جو ان تک پہنچا۔

نام مشرکانہ ہے تو بدلنا چاہیے۔ مذہبی رسوم میں بحیثیت تماشائی تو کسی وقت شریک ہوا جا سکتا ہے مگر ویسے شریک ہونا مناسب نہیں لگتا۔

والسلام

بیوی کا شوہر کا نام لے کر اسے بلانا

سوال:

السلام علیکم

سر میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ بیوی کو خاوند کی کس حد تک عزت کرنی چاہیے۔ کسی نے مجھے بتایا کہ بیوی خاوند کی اجازت کے بغیر اس کو اس کے نام سے نہیں پکار سکتی۔ مجھے ایسا نہیں لگتا۔ مجھے لگتا ہے کہ اس طرح تو میاں بیوی کے درمیان اچھا ماحول پیدا نہیں ہو سکتا۔ برائے مہربانی اس بارے میں رہنمائی فرمائیں۔ زہرا بخاری

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میاں بیوی کے رشتے میں مذہبی طور پر اس بات کی کوئی پابندی نہیں کہ بیوی شوہر کا نام نہ لے۔ میاں بیوی باہمی رضامندی سے پسند کریں تو بیوی شوہر کا نام لے کر اسے مخاطب کر سکتی ہے۔ البتہ یہ ذہن میں رہے کہ میاں بیوی کا رشتہ اصل میں دوستی اور برابری کا نہیں ہے۔ اس میں شوہر کو خاندان کی سربراہی کا مقام دیا گیا ہے۔ اس لیے بہرحال عمومی طور پر اس کی عزت کی جانی چاہیے۔

ایک دوسرے پہلو سے یہ ہماری ایک تہذیبی قدر رہے کہ عمر میں بڑے کسی شخص کا نام لے کر اس کو مخاطب نہیں کیا جاتا۔ شوہر چونکہ عمر میں عام طور پر بڑا ہی ہوتا ہے اس لیے اس پہلو سے بھی اس کا نام نہیں لیا جاتا۔ تاہم جیسا کہ عرض کیا گیا کہ باہمی رضامندی سے بیوی میاں کا نام لے کر اسے مخاطب کر سکتی ہے۔

ابو یحییٰ

فرح رضوان

بدبو

کچھ عرصے سے شاہدہ آنٹی سے بات کر کے محسوس ہونے لگا کہ گویا دنیا اچانک سے پرسکون ہوگئی تھی اوراس میں بسنے والے لوگ عزت کے قابل!!!

تو جب اس تبدیلی کی بظاہر کوئی وجہ دکھائی نہ دی تو شازیہ نے خود ہی ان سے اس کا سبب پوچھ ڈالا اور جواب میں انتہائی انوکھی بات سننے کو ملی، انہوں نے بتایا کہ ''بیٹا! تمہارے انکل کو حکیم صاحب نے دیسی انڈے کھانے کے لیے کہا ہے۔ اگلے دن ہم سب ہی کچن میں موجود تھے اور میں جلدی جلدی سب کو ناشتہ بنا کر دے رہی تھی، امی کے لیے آملیٹ بنانے کے لیے انڈہ توڑا.... تو وہ گندہ نکلا..... اورتم تصور نہیں کرسکتی بیٹا کہ اس میں کس قدر بھیانک بدبو تھی، اتنی بو کہ اگلے چند لمحوں میں ہم سب کا وہاں ٹھہرنا، یہاں تک کہ سانس لینا دشوار ہوگیا اور سب کے سب بڑی بڑی ابکائیاں لیتے ہوئے وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے- لیکن ظاہر ہے کہ اس کو وہاں سے تلف کرنا ہی تھا اور مجھے ہی کرنا تھا سو میں ہمت کر کے واپس کچن میں گئی تا کہ جس پیالے میں انڈہ توڑا تھا اسے اٹھا کر باہر لے جاؤں لیکن چند سیکنڈ میں اس بو سے اعصاب شل ہوتے دکھائی دیے تو پلٹ کر واپس آئی اور پھر ناک اور مونہہ پر خوب موٹا سا ڈھاٹا باندھ کر اس پیالے کو اٹھایا اور سیدھے اپنے چھوٹے سے باغیچے کا رخ کیا، لیکن یقین کرو کہ وہ تمام پرندے جو چاول کے چند دانے اور روٹی کے ذرا سے ٹکڑے ڈالتے ہی نہ صرف جمع ہو جاتے بلکہ اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں سب کے سب اس کی بو سے دور جا کر بیٹھ گئے، بو اتنی شدید تھی کہ پھر مجھے فوری طور پر ننھا سا گڑھا کھود کر اس انڈے کو دفنانا پڑا۔''

دو دن گزر گئے لیکن گھر کے تمام افراد کا حال یہ تھا کہ ان کے ذہن میں وہ بو بس گئی تھی، شازیہ

نے ان کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا کہ ''آنٹی جب ان کا یہ حال تھا تو آپ کا کیا حال ہوا ہوگا،''
وہ کہنے لگیں ''حال تو تم سمجھ ہی سکتی ہو، ساتھ ہی دو لفظ میری چڑ بن گئے تھے ایک انڈہ دوسرا بدبو، اور سب نے مل کر میرا خوب ریکارڈ لگایا کہ جن انڈوں کے صحیح سالم لانے پر میں خود پر اتنا فخر اور باقی سب کو نصیحت کیے جا رہی تھی وہ "stink bomb" ثابت ہوا۔''
وہ کچھ دیر کو رکیں پھر جب بات شروع کی تو اچانک ہی ان کی آواز بھرّ ا گئی اور آنکھیں نم ہو گئیں۔ بولیں کہ ''اتفاق کی بات کہہ لو...... یا میرے رب کی مجھ ناچیز کے لیے پلاننگ، کچھ ہی روز قبل میری دوست مینو کے سسر کا انتقال ہوا تھا، نئی جاب کی وجہ سے وہ اس بات کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی کہ لوگ اپنی سہولت کے حساب سے بار بار ان کے گھر تعزیت کے لیے آتے رہیں، تو اس نے اپنے گھر ایک درس رکھ کر تمام لوگوں کو اس میں مدعو کر لیا، میں اس روز کسی وجہ سے بہت ہی لیٹ ہو گئی، جب پہنچی تو سب خاموشی اور انہماک سے درس سن رہے تھے، میں نے جہاں سے سننا شروع کیا ان الفاظ نے ڈائریکٹ میرے دماغ کو سٹرائیک کیا اور پھر وہیں سے رستہ بناتے میرے دل میں اتر گئے، درس دینے والی خاتون کہہ رہی تھیں کہ ''انسان جب مرتا ہے تو پہلے اس کی روح کی حاضری اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہوتی ہے فرشتے روح کو لیکر آسمانوں کی جانب سفر کرتے ہیں تو جو نیک روح ہوتی ہے اس کی خوشبو کی وجہ سے اسے وہاں موجود دوسرے فرشتے بھی ویلکم کرتے ہیں خدا کی بارگاہ میں اس کی بڑی پزیرائی ہوتی ہے، اور واپسی پر قبر میں ایک کھڑکی جنت کی جانب کھول دی جاتی ہے، جبکہ ایسا شخص جو گھمنڈی ہو مغرور ہو تعصبی ہو، بد اخلاق بد کردار ہو تقویٰ کبھی چھو کر نہ گزرا ہو اس کی زندگی میں، نام مسلمان کا ہو لیکن کام شیطان کے کرتا ہو تو ایسے شخص کی روح جب فرشتے لے کر جا رہے ہوتے ہیں تو اس تمام راستے پر موجود دیگر فرشتے اس کی بو کی وجہ سے اس سے شدید کراہیت و نفرت کا اظہار کرتے ہیں، ذلت اس کا

مقدر ٹھہرتی ہے، اسے زمین پر دے مارا جاتا ہے اور اس کی قبر میں ایک کھڑکی دوزخ کی طرف کھول دی جاتی ہے، اس کے بعد مجھے یاد نہیں کہ وہ کیا بتاتی رہیں کیونکہ میرا ذہن catch word ''شدید بدبو'' پر اٹک کر اسی کے گرد گھومنا شروع ہو گیا تھا۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ گویا ہوئیں۔ ''کیا شان ہے میرے رب کی کہ لہسن پیاز جیسی بو پھیلانے والی سبزیوں پر لگا باریک سا چھلکا ان کی بو کو ہر سو پھیلنے سے روکے رکھتا ہے، اور وہ انڈا جو میں نے گھر لانے کے دوسرے دن توڑا تھا وہ محض ایک دن پہلے تو ہرگز خراب نہ ہوا ہوگا لیکن ایک باریک سے چھلکے کی وجہ سے وہ کتنا اجلا اور ستھرا اور بھلا دکھائی دے رہا تھا، کیا ستّاری ہے میرے کریم پروردگار کی کہ، وہ ہمارے بھی تمام عیبوں پر پردہ ڈالے رکھتا ہے، اور ہمارا حال وہی ہوتا ہے جو میرا تھا، کہ بظاہر صحیح سالم انڈے لانے پر میں کتنا اترا رہی تھی، فخر جتا رہی تھی، مطمئن تھی، ایسے ہی تو ہم اپنے نیک اعمال پر مطمئن رہتے ہیں جبکہ وہ قبول ہوئے یا نہیں ہم نہیں جانتے، درست ادا ہوئے یا نہیں ہم نہیں جانتے، کسی کی غیبت کرنے اس کا حق مارنے، اپنے نفس اپنی زبان کے شر کی وجہ سے ہمارے اکاؤنٹ میں رہے یا نہیں ہم نہیں جانتے، نیکیاں دکھاوے کے لیے کیں تو رائیگاں، اپنی نعمتوں رزق یا نیکیوں پر تکبر کیا تو سراسر بربادی کا سودا کیا۔ جبکہ دوسری جانب جن کی غلطیوں کو ہم گناہ کبیرہ بنا ڈالتے ہیں وہ اگر اپنی کوتاہیوں پر سچی توبہ کر لیتے ہوں تو ان کا مقام نہ جانے کیا ہوتا ہوگا۔''

آنٹی بے تکان بولے جا رہیں تھیں اور شازیہ سوچ رہی تھی کہ کبھی کبھی کسی، درسگاہ، کتاب یا کسی استاد سے ہم وہ سبق نہیں سیکھ پاتے جو زندگی کے چھوٹے چھوٹے اتفاقات، حادثات و واقعات ہمیں سکھا دیتے ہیں، بس غور کرنے کی عادت، اپنانے کی ضرورت ہوتی ہے باقی اسباب تو اللہ تعالٰی ہی مہیا فرماتا ہے نیکی کرنے اور گناہ سے بچنے کی تمام توفیق بھی اسی کے کرم سے ہے۔

پروفیسر محمد عقیل

شوہر پر شک اور بدگمانی

بدگمانی کا ایک اہم شکار شوہر ہوتا ہے۔ عام طور پر خواتین اپنے شوہروں پر کئی پہلوؤں سے شک کرتی ہیں لیکن سب سے اہم پہلو یہی ہوتا ہے کہ یہ کسی دوسری عورت میں تو دلچسپی نہیں رکھتے۔اس بدگمانی کے بے شمار نفسیاتی، جذباتی، واقعاتی یا دیگر اسباب ہو سکتے ہیں۔

خواتین کو یہ شک سب سے پہلے شوہروں کے رویئے سے ہوتا ہے۔شادی کے ابتدائی دنوں میں مرد کا رویہ بے حد رومانٹک ہوتا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں تبدیلی آتی جاتی ہے۔تو بیوی کے دل میں یہی بات پیدا ہوتی ہے کہ شادی سے پہلے یا ابتدائی دنوں میں تو یہ جان نچھاور کرتے، محبت کا اظہار کرتے اور مجھ سے خوب باتیں کرتے تھے، اب یہ بدل گئے ہیں۔ضرور کوئی چکر ہے۔بس یہ چکر کا خیال آتے ہی چکر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔یہیں سے بدگمانی کا آغاز ہو جاتا ہے۔

ایک اور اہم سبب شوہر کا تاخیر سے گھر آنا ہے۔دفتری یا کاروباری مصروفیات کی بنا پر مرد حضرات تاخیر سے گھر آتے ہیں۔ عام طور پر بیویوں کو شک ہوتا ہے کہ کیا معاملہ ہے۔ پھر شوہر تھکے ماندے گھر واپس آتے ہیں اور عام طور پر باتیں نہیں کرتے۔ بیوی جو سارا دن اس کا انتظار کرتی رہتی ہے اپنے پورے دن کی کتھا سنانے کے درپے ہوتی ہے۔شوہر عام طور پر کوئی دلچسپی نہیں لیتے یا پھر صرف ہاں ہوں کر کے بات ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اکثر مرد ویسے بھی خواتین کے مقابلے میں کم گو ہوتے ہیں۔ یہاں بھی بیوی میں بدگمانی پیدا ہوتی ہے کہ میری تو کوئی اہمیت نہیں، کوئی اوقات نہیں وغیرہ۔ یہاں سے ایک خود ساختہ بے چارگی، احساس کمتری، شک اور اور دیگر گمانوں کی ایک چین شروع ہو جاتی ہے۔

بدگمانی کی ایک اور ممکنہ وجہ شوہر کی آزاد خیالی، کھلا مزاج یا ڈبل اسٹینڈرڈ ہوتا ہے۔شوہر کا دیگر خواتین سے بات چیت کرنا، ان کے ساتھ ہنسنا بولنا، ان سے اچھی طرح بات چیت کرنا ایک بیوی کو بہت کھلتا ہے۔ یہاں سے بھی بدگمانی پیدا ہوتی ہے۔عورت خود کو کمتر سمجھتی اور شوہر پر مختلف طریقوں سے شک کرتی ہے۔

یہاں عین ممکن ہے کہ شوہر کی غلطی ہو اور اس کا رویہ نامناسب ہو لیکن اس کی نیت کسی عورت میں دلچسپی کی نہ ہو۔اس صورت میں کی گئی بدگمانیاں سرد جنگ کو جنم دیتیں، لڑائی جھگڑے کا سبب بنتیں اور بعض اوقات علیحدگی کا سبب بھی بن جاتی ہیں۔

بیوی پر شک اور بدگمانی

کہتے ہیں مرد عام طور پر شکی ہوتے ہیں۔شک کا ایک بڑا سبب عادت و مزاج ہوتا ہے۔ چنانچہ کچھ مرد اپنی بیویوں پر بلا جواز شک کرتے اور ان پر کڑی نگاہ رکھنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ وہ انہیں ایک ایسے پولیس مین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو ہر شخص کو مجرم سمجھتا ہے۔ایسے شوہر اپنی بیوی کو مجرم گردانتے اور ہر دوسرے دن اس سے یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ اپنی عفت کا ثبوت پیش کرے۔

اس قسم کے لوگ با آسانی بدگمانی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ بیوی کی ہر ٹیلیفون کال پر نظر رکھتے، اس کے ایس ایم ایس سے غلط معنی اخذ کرنے کی کوشش کرتے، اس کے موڈ کی تبدیلی کی الٹی سیدھی توجیہہ دینے کی کوشش کرتے، اس کی مسکراہٹ کے پیچھے کسی کا خیال محسوس کرتے، اس کی چہل قدمی کو کسی کا انتظار سمجھتے اور اس کے میک اپ کو اپنی بدگمانی کی عینک سے مشکوک بنا دیتے ہیں۔ جب بیوی ذرا بھی ان کے سوالات کا جواب دینے میں چوک جاتی اور انہیں مطمئن نہیں کر پاتی تو ان کے شک کا سانپ اور سرکش ہو جاتا ہے۔ایک وقت آتا ہے شک کا یہ

اژدہا پورے خاندان کو نگل لیتا ہے۔

شک کا تعلق ماحول سے بھی ہوتا ہے۔بعض اوقات ایک بند ماحول میں رہنے والا شخص باآسانی بدگمانی کی جانب مائل ہوجاتا ہے۔اوراگر بیوی ذرا آزاد ماحول کی ہو بس پھر تو معاملہ خراب۔ بیوی کا کسی سے ہنس کر بات کرنا، کسی کی بات پر مسکرادینا، کسی کی تعریف میں دو بول بول دینا، کسی پر تبصرہ کردینا ایک تنگ نظر میاں کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ ہر آنے والا دن بیوی کو ایک بے حیا عورت کے روپ میں پیش کرتا رہتا ہے۔ایسا مرد اپنی بدگمانی میں طرح طرح کی باتیں سوچتا اورالٹے سیدھے اندازے لگاتا رہتا ہے۔اس کی بدگمانی کبھی اس کی مردانگی پر سوالیہ نشان ڈالتی،کبھی بیوی کے کردار کو برا پیش کرتی،کبھی بیوی کی بے تکلفی کو فحاشی گردانتی تو کبھی اس کی سرگرمیوں کی ٹوہ لینے پر اکساتی ہے۔

بیوی سے بدگمان ہونے کی ایک اوروجہ کوئی واقعہ،قصہ،ڈرامہ یا کہانی ہوتی ہے۔کبھی کسی فلم سے متاثر ہوکر میاں اپنی بیوی کو اسی روپ میں دیکھنے لگ جاتا ہے جس میں ایک بے حیا عورت کے کردار کو دکھایا گیا ہوتا ہے۔اب اسی مفروضے پر جب وہ روزمرہ کا جائزہ لیتا ہے تو بیوی کی بہت سی باتیں اس کردار سے ملتی جلتی معلوم ہوتی ہیں۔اس کی بیوی اس بے حیا کردار کی طرح فیس بک بھی استعمال کرتی، وہاٹس ایپ بھی چلاتی،ای میل بھی کرتی اورایس ایم ایس بھی بھیجتی نظر آتی ہے۔اسے اپنی بیوی بالکونی میں بھی کھڑی دکھائی دیتی اور کبھی چھت پر جاتی نظر آتی ہے۔اب اسے یہ خیال آتا ہے کہ کسی طرح بیوی کی جاسوسی کرے۔اس جاسوسی میں کوئی نہ کوئی ایسی بات مل سکتی ہے جو شک کو قوی کردے۔اس کے بعد اعتماد متزلزل ہونا شروع ہوجاتا ہے۔

بدگمانی کی اس کے علاوہ بھی بے شمار وجوہات ہوسکتی ہیں۔اصل مسئلہ یہ ہے کہ ایک بدگمان شخص اس مفروضے پر سوچتا ہے کہ اس کی بیوی غلط راہوں پر جارہی ہے یہی اصل خرابی کی جڑ

ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک شخص کا شک درست ہوسکتا ہے لیکن اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ شک غلط بھی ہوسکتا ہے۔چنانچہ عام اصول کے تحت ہر شخص کو شک کا فائدہ دینا چاہئے اوراسے اس وقت تک بے قصور سمجھنا چاہئے جب تک کہ اس کے قصوروار ہونے کے قوی ثبوت نہ مل جائیں۔

بدگمانی کے کئی حل ہیں۔اول تو بدگمانی جب بھی پیدا ہوتو اسے پہلے مرحلے پر جھٹک دینا چاہئے۔اگراس سے کام نہ بنے تو بدگمانی کی وجہ معلوم کرکے اس کا قلع قمع کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔اگر شک بہت قوی ہوتو اسے بات چیت کے ذریعے ڈسکس کرلینا چاہئے۔اس سے رشتے میں دراڑ کی بجائے مضبوطی پیدا ہوگی۔اگر معاملہ اس سے بھی حل نہ ہوتو چند بزرگوں کو بیچ میں ڈال کر سماجی دباؤ کے تحت کام کروایا جاسکتا ہے۔اس کے باوجود بھی اگر معاملہ حل نہ ہوتو کیا کریں؟ فرض کریں ایک شخص کی بیوی واقعی کسی دوسرے مرد میں دلچسپی رکھتی ہے تو جذبات سے قطع نظر ہوکر دیکھیں کہ کیا کیا جاسکتا ہے، اس معاملے کو خوش اسلوبی سے حل کریں اور حل نہ ہونے کی صورت میں خوش اسلوبی سے علیحدگی اختیار کرلیں۔

حج کا سفر (ابلیس سے جنگ کی روداد)

پروفیسر محمد عقیل

حج کے بے شمار سفر نامے لکھے گئے ہوں گے۔اس سفرنامے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ حج کے مناسک کو اصل روح کے ساتھ تمثیلی پیرائے میں بیان کرتا ہے۔یہ کتاب دونوں اقسام کے لوگوں کے لئے مفید ہے جنہوں نے حج کرلیا ہو یا جو حج کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔

قیمت: 120 روپے (ڈسکاؤنٹ کے بعد)

ابو یحییٰ

مضامین قرآن (23)

دلائل توحید: نظم کائنات

دلیل فطرت کا خلاصہ

توحید کے حوالے سے بیان کردہ پچھلی دلیل فطرت کی تھی۔ اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے، اس فطرت کے لیے خدا کی ہستی اور اس کا تنہا معبود ہونا ایک معروف و معلوم حقیقت ہے۔ یہ ممکن ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ماحول اور حالات کی گرد انسان کی نگاہوں کو دھندلا دیتی ہے۔ انسان خدا کو دیکھنے اور تنہا معبود کی شکل میں دیکھنے کے لیے اندھا ہو جاتا ہے۔ تاہم اس اندھے پن میں کوئی داعی حق اگر نغمہ توحید کی لے بلند کر دے تو نظر نہ سہی مگر انسان کی سماعت اس نغمہ کو اپنے دل کی آواز سمجھ کر ہمیشہ اپنے اندر سے اس کی تصدیق پاتی ہے۔ عام حالات میں یہ سچائی اگر واضح نہ بھی ہو تب بھی مشکلات میں گھر جانے کے بعد دل سے نکلنے والی صدا کا مخاطب تنہا ایک ہی رب ہوتا ہے۔ ایسے میں سارے معبودان باطل کھو جاتے ہیں۔

یہی بندگی کی وہ فطرت ہے جس پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ تاہم یہ فطرت تنہا انسان تک محدود نہیں بلکہ تمام کائنات کا مذہب یہی بندگی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جو انسان کا خالق ہے وہی دیگر مخلوقات کا بھی خالق ہے۔ کائنات میں جاری وساری بندگی کی یہی وہ فطرت ہے جس سے توحید کی اگلی دلیل یعنی 'نظم کائنات' پھوٹتی ہے۔

نظم کائنات پر مظاہر کائنات کی گواہی

انسان جس کائنات میں آنکھ کھولتا ہے اس کی ہر چیز انتہائی حیرت انگیز ہے۔ سورج ہر روز طلوع ہوتا ہے۔ آسمان سے لے کر زمین تک وہ رنگ و نور کی بارش برساتا ہے۔ شام کے وقت وہ

اپنی قلمرو سے دستبردار ہو کر مغرب کے دامن میں غروب ہو جاتا ہے۔اس کے بعد سیاہ آسمان میں روشنی کی قندیلیں جلانے کے لیے آسمان پر لاکھوں کروڑوں ستارے نمودار ہوتے ہیں۔ رات بھر وہ آسمان کی بے کراں وسعتوں میں سفر کر کے جاگنے والوں کو وقت کا پتہ اور مسافروں کو منزل کا نشاں دیتے ہیں اور طلوع آفتاب سے قبل اپنے مسکنوں میں جا چھپتے ہیں۔ چاند مہینہ بھر آسمانی کیلنڈر کی خدمت سرانجام دیتا ہے۔ درخت اپنے وجود سے پھل، پھول، سبزہ اور سایہ فراہم کرتے ہیں اور جانور انسانوں کی خوراک کا اہتمام کرتے ہیں۔

یہ اور ان جیسے ان گنت مشاہدات انسانوں کو بیک وقت کئی حقیقتوں سے روشناس کراتے ہیں۔ ان کا ایک پہلو وہ ہے جو ربوبیت کی دلیل کے تحت زیر بحث آیا تھا۔یعنی یہ کائنات کس طرح انسانوں کے لیے نفع بخشی کے اصول پر بنائی گئی ہے۔اس کا دوسرا پہلو وہ ہے جو قدرت کی دلیل کے تحت جزوی طور پر بیان ہوا تھا کہ لوگ کس طرح سورج، چاند، ستاروں اور دیگر مخلوقات کو پوجتے ہیں جو اپنے وجود ہی میں اپنی محدودیت اور عجز کا کھلا اعلان ہیں۔ سو یہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟ تیسری حقیقت وہ ہے جو اب زیر بحث آ رہی ہے کہ یہ ساری مخلوقات پابند ہیں، مسخر ہیں اور اپنی متضاد خصوصیات کے باوجود ایک ہی مقصد یعنی انسانوں کی نفع بخشی کے لیے اس طرح ہم آہنگ و ہم آواز ہیں کہ کوئی ایک خالق ہی اس درجہ کی متنوع، مختلف اور متضاد خصوصیات کی مخلوق کو قابو میں کر سکتا ہے۔ نہ یہ سب کچھ خود بخود ہو سکتا ہے اور نہ آسمان و زمین، صبح و شام، اقوام و قبائل کے جدا جدا رب ان سب کو ایک مقصد کے لیے اس طرح پابند کر سکتے ہیں۔

قرآن میں نظم کائنات کے دو مختلف پہلوؤں سے استدلال

قرآن مجید اس حقیقت کو کئی پہلوؤں سے لوگوں کے سامنے رکھتا ہے۔ ایک پہلو وہ ہے جس میں قرآن مجید ان مظاہر کائنات کے ظاہری وجود میں موجود آثار کو پیش کرتا ہے۔ یہ آثار اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ یہ مظاہر آزاد اور خود مختار نہیں بلکہ ایک طاقتور ہستی کے حکم کے پابند

ہیں۔ یہ جن قوانین کے پابند ہیں وہ ایک برتر اور حکیم ہستی کا تخلیق کیا ہوا نظام ہے۔ سب مخلوقات اس نظام اور قوانین کی پابندی کرتے ہیں۔ ساتھ میں اپنے ظاہر سے بھی یہ مخلوقات اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ یہ سب اللہ ہی کی بارگاہ میں سجدہ کرتے ہیں۔ وہ بتاتا ہے کہ دن بھر انسانوں کی خدمت بجالانے کے بعد سورج رات کی تاریکی میں اور رات کی تاریکی کو اپنی جگمگاہٹ کا حسن دینے کے بعد ستارے دن کی روشنی میں اللہ کے حضور سجدہ ریز رہتے ہیں۔ چاند اور چوپائے اپنی نفع بخش منازل حیات میں اور درخت اور پہاڑ زمین پر بچھے اپنے سایوں کی شکل میں رب کے سامنے پیشانی ٹیک دیتے ہیں۔ یہ سجدہ اطاعت کی علامت ہے۔ یہ کنایہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ یہ مخلوق آپ سے آپ وجود میں نہیں آئیں نہ اپنی مرضی اور منشا سے منازل حیات طے کرتی ہیں بلکہ ایک ہی خالق کے حکم کی ماتحت ہیں۔ اس نے جس کام میں ان کو لگایا یہ اسی میں زندگی گزار دیتی ہیں۔

اس حقیقت کا دوسرا پہلو وہ ہے جو ان کی تکوینی ساخت سے نمایاں ہے۔ یعنی یہ تمام مخلوقات اپنی تخلیق میں ایک جیسی نہیں۔ کوئی سورج کی طرح آگ ہے۔ کوئی ہوا کی طرح نرم و لطیف ہے۔ کوئی دھرتی کی طرح ٹھوس مادے سے وجود پذیر ہوئی ہے۔ کوئی بارش کی طرح نمی اور تری کا ظہور ہے۔ کوئی آسمان پر ہے۔ کوئی زمین پر۔ کوئی جمادات سے ہے کوئی نباتات سے۔ کوئی چوپایوں کی طرح سطح زمین پر چلنے والے حیوانات میں سے ہے اور کوئی مچھلی کی طرح پانی کے اندر تیرنے والی حیات سے تعلق رکھتا ہے۔ اتنی مختلف، متنوع اور متضاد خصوصیات کی مخلوق میں ہر ممکن اختلاف پایا جاتا ہے۔ اتفاق صرف ایک ہی پایا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ یہ سب ایک خالق کے حکم سے انسانوں کی نفع بخشی، زندگی کی بقا اور انسان کے حواس اور ذوق کی تسکین کا سامان فراہم کرنے میں یک رائے ہیں۔ سب سے بڑھ کر خود انسانی وجود اس کا شاہد ہے کہ کس طرح اس دنیا میں دو متضاد چیزیں آپس میں ہم آہنگ ہو جاتی ہیں۔ کس طرح عورت کی لطیف ساخت اور

نفسیات مرد کی سخت شخصیت اور وجود سے ہم رنگ ہو کر زندگی کے نئے رنگ تخلیق کرتی اور زندگی کی بقا و تسلسل کو یقینی بناتی ہے۔ اس سے بڑھ کر خدا کی زندہ و فعال ہستی کا واضح نشان اور کیا ہو گا جو اس کائنات کی ہر چیز کو کنٹرول کر رہا ہے اور مجموعہ اضداد سے اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے۔

اس لیے اس بات کا کوئی سوال ہی نہیں کہ یہ مخلوقات خود بخود وجود میں آئی ہوں، ان میں اتنا اختلاف اور تضاد ہو اور پھر اندھے بہرے مادے سے وجود پانے والی یہ مخلوقات ایک خاص مقصد کے لیے ہم آہنگ ہو جائیں۔ یہ اگر ممکن ہے تو ایک خالق کی تخلیق، اس کی عنایت اور مہربانی کی وجہ سے ہے۔ وہی واجب الوجود ہے اور وہی اس قابل ہے کہ ہر پیشانی اسی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر اپنا مطلوب تلاش کرے۔ وہی خالق ہے جس نے سب کچھ تخلیق کیا۔ وہی ناظم ہے جس نے متضاد اشیاء کو ایک مقصد کے لیے اسی طرح منظّم کیا جس طرح ایک مصور اپنے فن پارے میں مختلف اور متضاد رنگ بھر کر اس کو ایک شاہکار کا روپ دیتا ہے۔

پرامن کائنات

قرآن مجید نظم کائنات کی بنیاد پر تنہا خدائے واحد کی عبادت اور اس کی بندگی پر ایک دوسرے طریقے سے بھی متوجہ کرتا ہے۔ اس کا پس منظر مشرکین کا یہ تصور تھا کہ اللہ تعالیٰ بے شک خالق و مالک ہے لیکن وہ گمان و قیاس سے باہر ایک بلند تر ہستی ہے جو کائنات بنا کر فارغ ہو گیا ہے۔ اب کائنات کا انتظام اس کے کچھ چہیتے اور محبوب بندے اور مخلوق چلا رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ آسمان پر اور کچھ زمین پر حکمرانی کرتے ہیں۔ اس کی نمایاں ترین مثال یونانی اور ہندو دیومالا کا وہ طلسم ہوشربا تھا جس میں آسمان سے لے کر زمین تک دیوتاؤں کی ایک انجمن سجی ہوئی ہے۔ ہر دیوتا کسی خاص نفع بخش مخلوق کا مالک ہے۔ اسی کے نام پر اس کی پرستش شروع ہو جاتی تھی۔ کوئی چاند دیوتا ہے تو کوئی سورج دیوتا۔ کوئی محبت کا خدا ہے تو کوئی قہر کا۔ کوئی روشنی کا رب ہے تو کوئی اندھیرے کا خالق۔ اس انجمن بتاں میں گائے بھی معبود تھی اور جن بھی پوجے جاتے

تھے۔انسان بھی مختار کل تھے اور فرشتے بھی معبود برحق تھے۔

قرآن مجید اسی وسیع عریض کائنات ،متضاد و متنوع مخلوقات، ان سے جاری و ساری فیض رسانی اوراس نفع بخشی کے لیے پائی جانے والی ہم آہنگی و ہمواری کو سامنے رکھ کر یہ پوچھتا ہے کہ اگر زمین و آسمان کے معبود الگ ہوتے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر معبود اپنی مرضی چلاتا۔کبھی سورج طلوع نہیں ہوتا۔کبھی رات نہیں آتی۔کبھی ہوا ختم ہو جاتی تو کبھی سمندر ساری خشکی پر پھیل جاتے۔ نتیجے کے طور پر یہ سارا کارخانہ عالم درہم برہم ہو جاتا۔مگر ہم جانتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوتا۔ہم ایک پرامن اور ہموار کائنات میں جیتے ہیں۔ یہاں ہر چیز مکمل نظم و ہم آہنگی کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دے رہی ہے۔یہ اس بات کی کھلی تردید ہے کہ یہاں اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود پایا جاتا ہے۔

یہی نہیں قرآن ایک دوسرے پہلو سے یہ توجہ دلاتا ہے کہ اگر خدائے واحد کے سوا زمین و آسمان میں مختلف معبود اور ہوتے تو فطری طور پر وہ یہ چاہتے کہ رب اعلیٰ کا مقام حاصل کریں۔ اس لیے کہ معبود عرش اگر کائنات کو بنا کر فارغ ہو گیا ہے تو پھر اقتدار تو فطری طور پر ان کو ملنا چاہیے جو اصل کام کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ یقیناً عرش والے کے خلاف بغاوت کر دیتے اور اس کا اقتدار چھیننے کی کوشش کرتے۔ایسی فضولیات دیو مالاؤں میں تو ضرور پائی جاتی ہیں،مگر یہ کائنات اپنے ذرے ذرے سے یہ گواہی دے رہی ہے کہ یہاں کوئی فساد نہیں۔کوئی جنگ نہیں۔ یہاں مکمل امن ہے۔سکون ہے۔ ہم آہنگی ہے۔ ہمواری ہے۔ ہر مخلوق اپنی اپنی جگہ اطمینان کے ساتھ اپنے فرائض خوش دلی سے سرانجام دے رہی ہے۔ان کی فطرت بندگی ہے اور ان کے درمیان پایا جانے والا نظم اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ متنوع،متضاد اور مختلف اشیاء پر مشتمل یہ کائنات ایک ہی خدا کے ماتحت ہے۔ یہاں اگر فرشتوں کی شکل میں کوئی صاحب اختیار مخلوق ہے بھی تو اس کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ خدا کے خلاف کبھی بغاوت کا سوچ سکیں۔وہ بھی باقی مخلوق

کی طرح تسبیح، تعریف، بندگی اور سجود میں اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ یہاں جنوں کی شکل میں کوئی شیاطین موجود ہیں تو ان کو بھی ایک حد سے آگے نہیں بڑھنے دیا جاتا۔ جب ان مخلوقات کا یہ حال ہے تو باقی ہما شما کی کیا مجال ہے کہ خدائے واحد کے خلاف بغاوت کر کے اپنا یا دیگر مخلوقات کا کنٹرول خود حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

قرآنی بیانات

''اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ رحمان اور رحیم ہے۔ بے شک آسمانوں اور زمین کی خلقت، رات اور دن کی آمد و شد، اور ان کشتیوں میں جو لوگوں کے لیے سمندر میں نفع بخش سامان لے کر چلتی ہیں اور اس پانی میں جو اللہ نے بادلوں سے اتارا اور جس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشی اور جس سے اس میں ہر قسم کے جان دار پھیلائے اور ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان مامور ہیں، ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں '' (البقرہ 2: 164-163)

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تم دیکھتے دیکھتے بشر بن کر روئے زمین پر پھیل جاتے ہو اور یہ بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی ودیعت کی۔ بے شک اس کے اندر گوناگوں نشانیاں ہیں ان کے لیے جو غور کرنے والے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی خلقت اور تمہاری بولیوں اور تمہارے رنگوں کا تنوع بھی ہے۔ بے شک اس کے اندر گوناگوں نشانیاں ہیں اصحاب علم کے لیے۔ اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن میں تمہارا سونا اور اس کے فضل کا طالب بننا ہے۔ بے شک اس کے اندر گوناگوں نشانیاں ہیں ان کے لیے جو سننے سمجھنے والے ہیں۔''، (روم 30: 23-20)

''کہہ دو کہ اگر کچھ اور الٰہ بھی اس کے شریک ہوتے جیسے یہ دعویٰ کرتے ہیں تو وہ عرش والے

پرضرور چڑھائی کردیتے۔ وہ پاک اور بہت برتر ہے ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں۔
(بنی اسرائیل 17 :42-43)

''اور اسی کے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور جو اس کے پاس ہیں۔ وہ اس کی بندگی سے نہ سرتابی کرتے اور نہ تھکتے۔ وہ شب و روز اس کی تسبیح کرتے ہیں اور دم نہیں لیتے۔

کیا انہوں نے زمین کے الگ معبود ٹھہرا لیے ہیں، وہ زمین کو شاداب کرتے ہیں؟ اگر ان دونوں کے اندر اللہ کے سوا الگ الگ الٰہ ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہو کے رہ جاتے۔ تو اللہ عرش کا مالک، ان چیزوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں! وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے باب میں کسی کے آگے مسئول نہیں اور یہ سارے مسئول ہیں۔''، (انبیا 21 :19-23)

''خدا نے کسی کو اپنی اولاد نہیں قرار دیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود شریک ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود جو کچھ اس نے پیدا کیا ہوتا اس کو لے کر الگ ہو جاتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا، خدا ایسی باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔''، (مومنون 23 :91)

''کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ ہی کے آگے جھکتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت اور چوپائے اور لوگوں میں سے بہتیرے۔ اور بہتیرے ایسے ہیں جن پر خدا کا عذاب لازم ہو چکا ہے۔ اور جن کو خدا ذلیل کر دے تو ان کو کوئی دوسرا عزت دینے والا نہیں بن سکتا۔ بے شک اللہ ہی کرتا ہے جو چاہتا ہے۔'' (حج 22 :18)

''اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب خدا ہی کو سجدہ کرتے ہیں، خواہ طوعاً خواہ کرہاً۔ اور ان کے سائے بھی صبح اور شام۔'' (رعد 13 :15)

''اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جتنے آسمانوں اور زمین میں جاندار ہیں اور فرشتے بھی، وہ سرتابی نہیں کرتے۔ وہ اپنے اوپر اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم ملتا ہے۔'' (نحل 16 :49-50)

[جاری ہے]

مبشر نذیر

ترکی کا سفر نامہ (26)

ایلیٹ ازم کا خاتمہ

عثمانی دور میں اشرافیہ کا طبقہ بہت مضبوط تھا۔ جو شخص بادشاہوں کے جتنے قریب ہوتا، اس کا درجہ اتنا ہی بلند سمجھا جاتا۔ مصطفیٰ کمال نے ایک اچھا کام یہ کیا کہ انہوں نے ایلیٹ ازم کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے لئے انہوں نے عثمانی دور کے القابات اور عہدوں کو خلاف قانون قرار دیا۔ یقینی طور پر یہ ایک اچھا کام تھا مگر اس کے نتیجے میں ترکی میں ایلیٹ ازم کا خاتمہ نہ ہو سکا۔ ان کے ان اقدامات کے نتیجے میں عثمانی دور کی اشرافیہ تو شاید ختم ہو گئی مگر جدید ری پبلکن دور کی اشرافیہ پیدا ہو گئی جو اس وقت ترکی کے اقتدار پر قابض ہے۔

زبان سے متعلق اقدامات

مصطفیٰ کمال نے زبان سے متعلق کچھ ایسے اقدامات کیے جن کی مثال شاید ہی کسی قوم کی تاریخ میں ملتی ہو گی۔ عثمانی عہد میں ترکی زبان عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔ کمال نے ترکی کو عربی کی بجائے رومن رسم الخط میں لکھنے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے عربی اور فارسی الفاظ کو ترکی زبان سے نکالنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ مذہبی تصورات کو عربی کی بجائے ترکی الفاظ میں بیان کیا جائے۔ انہوں نے نماز، اذان اور تلاوت قرآن کو عربی زبان کی بجائے ترکی زبان میں ادا کرنے کا حکم دیا۔

کمالسٹ اس بات میں تو کامیاب ہو گئے کہ ترکی کو رومن رسم الخط میں لکھا جا سکے مگر وہ دینی معاملات میں دخل اندازی میں ناکام رہے۔ عربی زبان میں نماز، اذان اور قرآن کے معاملے میں انہیں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور خود کمال کی زندگی میں ہی اس حکم کو واپس لے لیا گیا۔

کمال کا یہ اقدام بدیہی طور پر غلط تھا۔ یہ واضح طور پر ترک قوم کو اپنے ماضی سے کاٹ دینے کی کوشش تھی۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ کسی جوان شخص کے سر پر ہتھوڑا مار کر اس کی یادداشت گم کر دی جائے۔ اس کے بعد وہ شخص اپنے ماضی کے تجربات اور ان کے نتائج سے مکمل طور پر محروم ہو جاتا ہے۔ یہی معاملہ ترک قوم کے ساتھ ہوا۔ انہیں ان کے اسلامی ماضی سے کاٹ کر پوری طرح مغرب سے جوڑنے کی کوشش کی گئی۔ ترک معاشرے میں اسلام کی جڑیں بہت ہی گہری تھیں لہٰذا اس کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ ترک معاشرہ آدھا تیتر آدھا بٹیر بن کر رہ گیا۔ مسلمان ترکوں کو مغرب زدہ سمجھتے ہیں اور اہل مغرب انہیں اسلامی قرار دے کر ان سے فاصلہ رکھتے ہیں۔

فاشسٹ اور آمرانہ نظام حکومت

کمال نے ایک طرف تو بادشاہت کو ختم کرتے ہوئے جمہوریت قائم کرنے کا دعوی کیا مگر ان کا جمہوری تصور مغرب کے عام جمہوری نظام کی بجائے ہٹلر اور مسولینی کے ماڈل پر مشتمل تھا۔ ترکی میں صرف ایک سیاسی پارٹی کے قیام کی اجازت دی گئی جو کہ کمال کی اپنی پارٹی تھی۔ انہوں نے اختلاف رائے کو سختی سے کچل دیا اور پارٹی پر اپنی اجارہ داری قائم رکھی۔

ترکی کے تعلیمی نصاب میں کمال اور کمال ازم کو اس طریقے سے داخل کر دیا گیا کہ کمال کی شخصیت مقدس رنگ اختیار کر گئی اور ان سے معمولی سا اختلاف بھی جرم قرار پایا۔ موجودہ دور میں بھی ترکی کے سیکولر کمالسٹ، کمال کو کسی پیغمبر سے بھی بلند درجہ دیتے ہیں اور ان کی کسی بات پر تنقید کو برداشت نہیں کرتے۔

کمال کے اقدامات پر ردعمل

کمال نے ترکی میں ایسی اشرافیہ پیدا کر دی جس کی رگوں میں کمال ازم بری طرح رچ بس گیا۔ اشرافیہ کا یہی طبقہ ترک حکومت، فوج اور عدلیہ میں اہم عہدوں پر قابض ہو گیا اور انہوں

نے اپنے مخالفین کو کچلنے کے لئے مختلف ادوار میں حکومت کی طاقت کا بھرپور استعمال کیا۔ اس کے ردعمل میں ایسے لوگ جو دین اسلام کو اپنی زندگی میں اہمیت دیا کرتے تھے، منظّم ہونا شروع ہوئے اور انھوں نے فاشزم کے خلاف جدوجہد کی ایسی تاریخ رقم کی جس کی مثال کسی اور ملک میں نہیں ملتی۔

اس جدوجہد کی تفصیلات پر ہمیں اردو میں کوئی غیر جانبدار تحریر نہیں مل سکی۔ ہمارے مذہبی لوگوں کی زیادہ تر تحریریں کمال ازم کی مذمت اور تردید میں لکھی گئی ہیں جبکہ سیکولر حضرات نے کمال کو پیغمبر بنا کر پیش کیا ہے۔ انگریزی زبان میں رینڈ کارپوریشن کی ایک رپورٹ مل گئی جس میں بڑی غیر جانبداری سے اس تاریخ کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس رپورٹ کا نام ہے۔ The Rise of Political Islam in Turkey۔ یہ رپورٹ اینجل راباسا اور ایف اسٹیفین لارابی نے مرتب کی ہے۔ انھوں نے دقت نظر سے ترکی کی پوری ری پبلکن تاریخ کا جائزہ لیا ہے۔ یہاں ہم اس کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں:

کمال ازم نے مغربی اناطولیہ کے شہری علاقوں میں تو جگہ بنا لی مگر دیہات میں اس کا اثر و نفوذ کم رہا۔ حکومتی سطح پر کئے جانے والے اقدامات کا ردعمل یہ ہوا کہ اسلام پسندوں میں دین کو بچانے کا جذبہ پوری طرح بیدار ہو گیا۔ ترکی میں متعدد تحریکیں پیدا ہوئیں جنھوں نے حکومت کو چھوڑ کر عوام پر اپنی توجہ مبذول کی۔ ان تحریکوں نے ترکوں میں اسلامی شناخت کا احساس پیدا کیا اور دینی تعلیم کو غیر رسمی انداز میں فروغ دیا۔

[جاری ہے]

پروین سلطانہ حنا

غزل

ہیں منتظر یہاں در و دیوار آپ کے
شاید کہ ہوں نصیب میں دیدار آپ کے

آ کر ہماری بزم کی رونق بڑھایئے
ہیں کتنے سارے لوگ پرستار آپ کے

گرچہ ہمارا آپ سے تعارف نہ ہو سکا
رشتے میں کچھ تو ہم بھی ہیں سرکار آپ کے

جب سے سنا ہے آپ ہیں لاکھوں میں بے مثال
ہم تب سے ہو گئے ہیں طلبگار آپ کے

جب آپ نے بلایا تو فوراً ہی آ گئے
ہیں کتنے پُر خلوص مددگار آپ کے

اخلاص دوستوں کی ہے اعلیٰ تریں صفت
گرویدہ ہم ہیں اس لئے سرکار آپ کے

ماں آپ کی دُعا سے ہی میری نجات ہے
قدموں میں آ کے بیٹھوں گی سو بار آپ کے

ہاتھوں کو اپنے کر لیا میں نے لہو لہان
پاؤں میں چُبھ نہ جائیں کہیں خار آپ کے

رنگِ حناؔ کو خاص ہے نسبت گلاب سے
صحنِ سُخن میں مہکیں گے گلزار آپ کے

''جب زندگی شروع ہوگی''   اور   ''وقتِ قسم اس وقت کی''

کے بعد ابو یحییٰ کا تیسرا ناول

''آخری جنگ''

جلد آرہا ہے

نظرِ ثانی اور خصوصی اضافوں کے ساتھ ابو یحییٰ کی کتاب

''تیسری روشنی''

شائع ہوگئی ہے

- ☆ ابو یحییٰ کی داستانِ حیات۔ تلاشِ حق کی سچی کہانی
- ☆ نفرت اور تعصب کے اندھیروں کے خلاف روشنی کا جہاد
- ☆ جب زندگی شروع ہوگی کے حوالے سے اٹھائے گئے اہم سوالات کا جواب
- ☆ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے والے رویوں کا تفصیلی بیان
- ☆ امتِ مسلمہ کے اتحاد کا جذبہ رکھنے والوں کے لیے ایک رہنما تصنیف
- ☆ ابو یحییٰ کی ایک اور منفرد تصنیف

(مزید معلومات کے لیے رابطہ: 0332-3051201)

عقلمندوں کا رویہ

”زمین اور آسمانوں کی پیدائش اور رات اور دن کے باری باری آنے میں ان عقلمند لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں جو:

اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں۔

اور آسمانوں اور زمین کی ساخت میں غور وفکر کرتے ہیں۔

(وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) پروردگار، یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے، تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔ پس اے رب، ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے، تو نے جسے دوزخ میں ڈالا اسے درحقیقت بڑی ذلت ورسوائی میں ڈال دیا، اور پھر ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ مالک، ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا تھا اور کہتا تھا کہ اپنے رب کو مانو۔ ہم نے اس کی دعوت قبول کرلی، پس اے ہمارے آقا، جو قصور ہم سے ہوئے ہیں ان سے درگزر فرما، جو برائیاں ہم میں ہیں انھیں دور کردے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر۔ خداوند، جو وعدے تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ سے کیے ہیں ان کو ہمارے ساتھ پورا کر اور قیامت کے دن ہمیں رسوائی میں نہ ڈال، بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں ہے۔“، (آل عمران 3:194-190)